سیاہ بھیڑیا
اشتیاق احمد

انسپکٹر جمشید سیریز ۵

پُراسرار اور چونکا دینے والے واقعات پر مبنی

سیاہ بھیڑیا

اشتیاق احمد

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور —— حیدرآباد —— کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : علمی پرنٹنگ پریس ۱۴ ہسپتال روڈ، لاہور
قیمت : چار روپے پچاس پیسے

مقامِ اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
اُدبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

پھول سے پیارے بچو!

آپ میں سے کچھ بچوں نے فرمائش کی ہے کہ میں اس صفحے میں بھی آپ کو ہنسانے کی کوشش کیا کروں۔ بھئی اس کام کے لیے کیا ناول کچھ کم ہے۔ اس صفحے میں آخر آپ سے باتیں بھی تو کرنا ہوتی ہیں۔ اگر ہنسنے ہنسانے کے چکر میں پڑ گئے تو باتیں رہ جائیں گی اور پھر آپ ہی شکایت کریں گے۔

ویسے ہنستے رہنا اچھی بات ہے اور میں خود چاہتا ہوں کہ آپ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں۔ آپ کہیں گے، یہ کیا ہنسنے ہنسانے کی بات لے کر بیٹھ گیا ہے۔ چلیے۔ یہ گردان ختم۔ اب آئیے ناول کی طرف۔ ناول دھماکا خیز بھی ہے اور سنسنی خیز بھی۔ آپ کو یقیناً پسند آئے گا، پسند نہ آئے تو میں حاضر ہوں۔ جو سلوک جی میں آئے کر سکتے ہیں۔ بس یہ خیال رہے کہ لکھتے رہنے کے قابل چھوڑ دیں۔ ورنہ پھر آپ شکایت کس سے کریں گے۔

انعامی سوال کے سلسلے نے مصروفیت بہت بڑھا دی ہے اور اب میں سوچ رہا ہوں۔ یہ کیا مصیبت مول لے بیٹھا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں آپ چاہیں تو اسے بند کر دیا جائے۔

فقط

اشتیاق احمد

ترتیب

رسّی کی سیڑھی

محمود، فاروق اور فرزانہ ان دنوں بالکل فارغ تھے۔ وہ امتحانات سے فارغ ہو چکے تھے اور بہت بور ہو رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے، کوئی سیر کا پروگرام بنے، کسی پُر فضا مقام پر جائیں اور چھٹیوں کا لطف اُٹھائیں۔ دوسری طرف انسپکٹر جمشید شہر سے باہر جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے محکمے کے کچھ انسپکٹر چھٹی لے کر گھر چلے گئے ہیں۔ اس لیے انہیں چھٹی نہیں مل سکتی اور چھٹی مل بھی جائے تو بھی ان حالات میں وہ چھٹی لینا مناسب نہیں سمجھتے، کیونکہ روزی کو حلال کر کے کھانا چاہیے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کی بوریت کا ایک سبب تو یہ تھا۔ دوسرا آج کل شہر کے جرائم پیشہ لوگ شاید شہر چھوڑ کر کہیں چلے گئے تھے۔ کئی مہینوں سے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جس میں وہ دلچسپی لیتے۔ وہ اس پر بھی حیران تھے کہ مجرمانہ ذہن کے لوگ کہاں بھاگ گئے، کہیں سب کے سب توبہ تو نہیں کر بیٹھے۔ بہرحال آج کل ان کی گفتگو

کچھ اسی موضوع پر ہوتی تھی۔ ایک شام ابھی انسپکٹر جمشید گھر نہیں آئے تھے۔ وہ ناشتے کی میز پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"اگر چند ماہ اور یہی حال رہا تو ہمارا کیا حال ہو گا۔" فرزانہ کہہ رہی تھی۔

"ہم بے حال ہو جائیں گے اور کیا ہوگا۔" فاروق نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بے حال تو اب بھی ہیں۔ کیوں نہ ہم خود کوئی واردات کریں۔" محمود بولا۔

"کیا مطلب؟" فاروق اور فرزانہ نے چونک کر ایک ساتھ پوچھا۔

"میرا مطلب ہے، ہم خود کوئی چوری کریں۔"

"اور پکڑے جائیں اور حوالات کی سیر کریں، کیوں یہی بات ہے نا۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"تجربہ کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" محمود مسکرایا۔

"ابا جان بالکل معاف نہیں کریں گے۔ وہ یہ بھول جائیں گے کہ ہم ان کی اولاد ہیں۔" فاروق بولا۔

"در اصل تم میرا مطلب غلط سمجھے۔" محمود نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا مطلب تھا تمہارا۔ آخر تم ایسی بات کیوں کہتے ہو، جس کے دو مطلب نکل سکتے ہوں۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"تم دونوں تو ہو احمق۔ در اصل جب میں نے یہ جملہ کہا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں ایک عجیب و غریب سکیم آئی تھی۔ اگر تم نہیں سننا چاہتے تو رہنے دو۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"سن تو ہم لیں گے، مگر اس میں حوالات تک جانے کا خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔" فاروق نے کہا۔

"یہی تو مزے کی بات ہے۔ اس سکیم میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔" محمود بولا۔

"تو پھر بتاؤ نا۔ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو۔" فرزانہ نے تیز ہو کر کہا۔

"میں نے سوچا ہے کہ ہم آج شام کی چائے سے فارغ ہو کر گھر سے باہر نکلیں۔" محمود نے کہا۔

"واہ! کیا اچھی سکیم ہے۔ اس سے اچھی سکیم تو آج تک کسی نے پیش ہی نہیں کی ہو گی۔ کیوں فرزانہ۔" فاروق نے محمود کا مذاق اڑایا۔ فرزانہ کی بھی ہنسی نکل گئی۔

"واقعی بے مثال سکیم ہے۔" اس نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"تم نے پوری بات سنی نہیں اور تبصرہ شروع کر دیا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"جب آدھی بات ہی اتنی زیادہ شاندار ہو تو آگے سننے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا نہ سنو۔ میری بلا سے۔" محمود منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔ رُخ بھی دوسری طرف کر لیا۔

"ارے۔ ارے۔ تم تو ناراض ہو گئے۔ اچھا چلو پوری بات بتاؤ۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں بتاتا۔" محمود نے اَڑ کر کہا۔

"اچھا بھئی ہم دونوں معافی مانگتے ہیں، اب درمیان میں نہیں بولیں گے اور اگر بولیں تو ہم اپنی بات کو اسی جگہ روک دینا اور ہرگز آگے نہ بتانا۔" فاروق نے منت کرتے ہوئے کہا۔

"پلیز۔ اچھے بھائی جان۔ بتا بھی دو۔" فرزانہ نے بھی ہاتھ جوڑے۔

"خیر۔ بتاتا ہوں، لیکن اگر اس مرتبہ میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تو لاکھ منت کرو، نہیں بتاؤں گا۔" محمود نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اڑانے کے لیے اور تھوڑی چیزیں ہیں کہ تمہارا مذاق ہی اڑایا جاتے۔" فاروق نے بلا کی سنجیدگی سے کہا۔ "میں پتنگ اڑا لونگا۔"

"دیکھا فرزانہ۔ یہ اب بھی باز نہیں آیا۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"نہیں تو۔ اب تو میں نے کچھ نہیں کہا۔" فاروق نے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا بس۔ اب ذرا زبان دانتوں تلے دبا کر بیٹھو۔" فرزانہ نے فاروق کو بڑی بوڑھیوں کی طرح ڈانٹا اور فاروق نے سچ مچ زبان دانتوں تلے دبا لی، ساتھ ہی چیخ اُٹھا۔

"ارے مر گیا۔"

"کیوں۔ کیا ہوا، کیا کسی بچھو نے کاٹ کھایا ہے۔" فرزانہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں۔ زبان زور سے دب گئی تھی۔" اس نے سسکی بھری۔

"حد ہو گئی۔ یہ حضرت اور باز آ جائیں، یہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔ یہ ہو سکتا ہے اور ضرور ہو سکتا ہے۔ یہ لو۔ میں بالکل باز آ گیا۔"

فاروق اس مرتبہ واقعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ محمود چند لمحے اسے گھورتا رہا، آخر کہنے لگا۔

"میں نے سوچا دراصل یہ ہے کہ ہم پروفیسر داؤد یا انکل خان رحمان کے گھر چوری کریں۔"

"کیا۔!!" فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ چلّائے۔

"کیا ہے۔ کیوں چیخ رہے ہو۔" اندر سے بیگم جمشید نے انہیں ڈانٹا۔

"کچھ نہیں امی جان۔ ہم تو باتیں کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے بلند آواز میں کہا۔

"باتیں اسی طرح کی جاتی ہیں۔" بیگم جمشید کی آواز آئی۔

"معاف کیجیے امی جان۔ اب اتنی اونچی آواز میں باتیں نہیں کریں گے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

بیگم جمشید خاموش ہو گئیں۔ چند لمحے بعد فاروق بولا۔

"کیا کہا تھا تم نے — پروفیسر انکل یا انکل خان رحمان کے گھر چوری کریں؟"
اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، چوری کریں اور خاموشی سے واپس آ جائیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن اس سے کیا ہو گا؟" فرزانہ نے اُلجھ کر پوچھا۔

"اس کے بعد ہم فون پر انہیں بتائیں گے کہ ان کے گھر چوری ہو گئی ہے اور کہیں گے کہ اگر ہم چور کو پکڑ دیں تو وہ کیا انعام دیں گے۔ اس طرح ہم خود ہی چوروں کی حیثیت سے ان کے سامنے پیش ہو جائیں گے اور انعام حاصل کریں گے۔" محمود نے ساری سکیم بتائی۔

"ترکیب تو زور دار ہے اور بہت دلچسپ بھی ہے لیکن . . . اگر پکڑے گئے تو . . . ؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"تو کیا ہوا — ہم انکل کو اصل بات بتا دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"چلو یہ تو ہوا — اب سوال یہ ہے کہ چوری پروفیسر انکل کے ہاں کریں یا انکل رحمان کے ہاں؟" فاروق نے کہا۔

"میں تو پروفیسر انکل کے ہاں چوری کرنا پسند کروں گا، کیونکہ انکل خان رحمان سے ڈر لگتا ہے۔" محمود بولا۔

"لیکن انکل خان رحمان کے گھر چوری کر کے زیادہ لطف آئے گا۔ ان کی شکل دیکھنے والی ہو گی۔" فرزانہ نے مشکل سے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"دراصل ان کے گھر چوری کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ یہ ہمارا پہلا تجربہ ہو گا، اس لیے نسبتاً آسان جگہ ہاتھ ڈالنا چاہیے۔ پھر کسی دن انکل خان رحمان کے ہاں بھی واردات کر آئیں گے۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"چلو ٹھیک ہے — یونہی سہی۔" فرزانہ نے حامی بھری۔

"تو پھر آج شام — چائے کے بعد۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فاروق بولا اور تینوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ گھنٹی بجانے کا انداز انسپکٹر جمشید کا ہی تھا۔

"لو! ابا جان آ گئے۔" فرزانہ اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

شام کی چائے کے بعد انہوں نے اجازت لی اور گھر سے باہر نکل آئے — پروفیسر داؤد کی کوٹھی شہر سے بہت دور جنگل کے ساتھ تھی، کیونکہ شہر کا ہنگامہ ان کے تجربات میں خلل ڈالتا تھا۔ ان کی کوٹھی کے آس پاس بس چند ایک ہی کوٹھیاں تھیں جو شاید انہی کی طرح تنہائی پسند واقع ہوئے تھے۔

تینوں اگر پیدل چلتے ہوئے وہاں جاتے تو پہنچتے پہنچتے رات ہو جاتی، جب کہ انہیں رات سے پہلے گھر واپس آنا تھا۔ اس لیے انہیں ایک رکشا لینا پڑا۔ رکشے والے نے ان کے تین ہونے پر کوئی اعتراض نہ کیا، کیونکہ تینوں ابھی نوعمر تھے۔

انہوں نے رکشا پروفیسر صاحب کی کوٹھی سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہی روک لیا۔ رکشے کا بل ادا کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگے۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اندر کیسے داخل ہوں گے۔ ہم نے اس سے پہلے کبھی چوری تو کی نہیں کہ کچھ معلوم ہو۔" فرزانہ بولی۔

"جواب یہ ہے کہ ہم صدر دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے، لیکن اگر وہ بند ہوا تو پھر کسی کھڑکی یا لوہے کے پائپ کو آزمائیں گے۔" محمود نے جواب دیا۔

"یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی کھڑکی کھلی نہ ملی یا کھڑکیوں پر لوہے کی سلاخیں ہوئیں اور کوئی پائپ کسی کمرے کی کھڑکی تک نہ گیا ہوگا تو ہم کیا کریں گے۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس آ جائیں گے۔" محمود نے جل کر کہا اور فرزانہ کی ہنسی نکل گئی۔

"اور یہ جو ہم نے رکشے کا کرایہ ادا کیا ہے اور ایک بار اور کرنا ہے، اس کے متعلق کیا خیال ہے۔" فاروق نے سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔ اگر ہم نے ہمت نہ ہاری تو کسی نہ کسی طرح کوٹھی میں داخل ہو ہی جائیں گے۔" محمود بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فرزانہ نے دونوں کا جھگڑا ختم کرنے کے لیے کہا۔

"شائستہ سے ملے بھی تو عرصہ گزر گیا ہے، کیوں نہ لگے ہاتھوں اس سے ملتے چلیں۔" فاروق بولا۔

"لیکن اسے بتاؤ گے کیا۔ یہی کہ ہم ان کے ہاں چوری کرنے آئے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! اس میں حرج ہی کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں! ہم یہ بات اپنے گھر پہنچ کر بتائیں گے۔" محمود نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اچھا! جیسے تمہاری مرضی۔ آج کی سکیم کے لیڈر تم ہو، جو تم کہو گے ہم دونوں اس پر عمل کریں گے، کیوں فرزانہ... ٹھیک ہے نا۔" فاروق نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"بالکل! جب تک کسی کام میں نظم اور ضبط نہ ہو، اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔" فرزانہ بولی۔

"باتیں کم کرو اور قدم ذرا وہ اٹھاؤ۔" محمود نے اکڑ کر کہا۔

"جی بہت بہتر۔" فاروق نے کہا اور تیز تیز چلنے لگا یہاں تک کہ دونوں سے آگے نکل گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔ تم تو لیڈر سے بھی آگے نکل گئے۔ یہ تو بے ادبی ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"لیڈر نے ہی تو تیز تیز چلنے کا حکم دیا تھا۔" فاروق ہنسا۔

اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے اور یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی کہ دروازے پر ایک پٹھان چوکیدار بندوق لیے ٹہل رہا تھا۔ اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی یہاں کسی چوکیدار کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ درختوں کے ایک جھنڈ میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ تینوں فکر مند ہو گئے تھے۔

"یہاں آنا بے سود گیا۔ یہ پروفیسر انکل نے چوکیدار کب سے رکھ لیا۔"

محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"خدا جانے۔ کہیں انہوں نے ہمارے لیے ہی تو چوکیدار نہیں رکھ چھوڑ

فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"ہشت۔ بے پر کی نہ اڑاؤ۔ واپس چلنے سے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم

کوٹھی کی پشت پر چل کر ایک نظر ڈال لیں؟" محمود نے دونوں کی طرف جواب

طلب نظروں سے دیکھا۔

"اس میں کوئی حرج نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر آؤ۔"

وہ چکر کاٹ کر کوٹھی کی پشت پر پہنچے اور کسی کھڑکی یا لوہے کے پائپ

کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے۔ اچانک ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں

وہ دھک سے رہ گئے۔ انہوں نے ایک ایسا منظر دیکھا تھا جس کی انہیں خوا

میں بھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پروفیسر داؤد کی کوٹھی کی پچھلی دیوار سے ایک

رسی کی بنی ہوئی سیڑھی لٹک رہی تھی۔ اس کا ایک سرا زمین کو چھو رہا تھا

دوسرا سرا کوٹھی کی چھت کی منڈیر تک گیا ہوا تھا۔

اور آس پاس کوئی نہ تھا۔

خبردار

"یہ کیا چکر ہے۔" محمود بڑبڑایا

"شاید کسی کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ ہم پروفیسر انکل کے گھر چوری

کریں۔ اس لیے وہ ہم سے پہلے ہی چوری کرنے آ گیا۔" فاروق نے کہا۔

"ہشت۔ بے تکی باتیں نہ کرو۔ یہ وقت سنجیدگی کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا

کوئی اس سیڑھی کے ذریعے اندر گیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"پھر اب ہم کیا کریں۔" فاروق کا لہجہ حد درجہ فکر مند تھا۔

"ایک ترکیب تو یہ ہے کہ ہم یہیں درختوں کی اوٹ میں رہ کر اس

کی واپسی کا انتظار کریں۔" محمود نے کہا۔

"اور دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ ہم بھی اسی سیڑھی کے ذریعے

اندر پہنچ جائیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کون ہے اور اندر

کیا کر رہا ہے؟" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس میں ایک خطرہ ہے اور وہ یہ کہ اگر ہمیں دیکھ ل
گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ وہ جو کوئی بھی ہے، ہوشیار ہو جائے گا۔ اگر ہ
نے نیچے ہی چھپ کر معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی تو بات ہم تک ہی رہ
گی۔ پھر ہم جو چاہیں گے، کر سکیں گے۔ ابا جان کو اطلاع دے دیں گے یا پروف
انکل کو خبردار کر دیں گے۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"بات تمہاری بھی دل کو لگتی ہے، تو پھر یہی کر لیتے ہیں۔ اس طرح ہم ا
کا تعاقب کر کے یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔" محمود نے پرجو
لہجے میں کہا۔

"تو پھر آؤ۔ درختوں کے پیچھے چھپ جائیں۔ دیر نہیں کرنی چاہیے۔"
فرزانہ نے کہا۔

تینوں جلدی جلدی تین درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔ یہ تینوں درخت
کافی تن آور تھے اور وہ پوری طرح ان کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ صرف
اپنے سر نکال کر کبھی کبھی رسی کی سیڑھی پر نظر ڈال لیتے تھے۔ تینوں آپس
میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اسی عالم میں تقریباً آدھا گھنٹا گز
گیا۔ آخر فاروق نے اکتا کر کہا۔

"کہیں ہم بے وقوف تو نہیں بن رہے۔"

"کیا مطلب؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سیڑھی پروفیسر انکل نے خود ہی کسی ضرورت
کے تحت یہاں لٹکوا رکھی ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، بھلا انہیں اس کی کیا ضرورت۔" فرزانہ بولی۔ "کیا وہ
اپنے گھر میں چور ، بلانا چاہتے ہیں۔"

"بھئی آخر وہ سائنس دان ہیں۔ کیا خبر کسی تجربے کے سلسلے میں لٹکائی ہو۔"
فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"میں اس بات کو ماننے کو تیار نہیں۔" محمود نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

"تو نہ مانو۔ میں کب ماننے پر تمہیں مجبور کر رہا ہوں۔" فاروق شوخ
انداز میں مسکرایا۔

"پھر مذاق کی سوجھی۔ میں کہہ چکا ہوں، یہ معاملہ بہت خطرناک معلوم
ہوتا ہے اس لیے سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

"لیکن میں نے سنجیدگی کا دامن ہاتھ میں پکڑا ہی کب رکھا ہے۔" فاروق نے
معصومانہ لہجے میں کہا۔

اس کے اس جواب پر فرزانہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور محمود کا منہ بن گیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ فرزانہ تم بھی ہنس رہی ہو۔" وہ بولا۔

"بس فرزانہ ہی تو ہنس رہی ہے۔ تم اور میں تو ہنس نہیں رہے۔ پھر تم
نے جملے میں بھی کیوں لگایا؟" فاروق بول اٹھا۔

"حد ہو گئی۔ تم شاید بڑے ہو کر گرائمر کے استاد بنو گے۔" محمود نے
جھلا کر کہا۔

"اگر تم یہی چاہتے ہو تو بن جاؤں گا، ویسے اس کے آثار نظر نہیں آتے۔"
فاروق نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب — آثار نظر نہیں آتے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! اگر ہمارے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا . . . جو ہو رہا ہے تو پھر تو ہم محکمہ سراغرسانی میں جاسوسی ہی کیا کریں گے۔" فاروق نے شوخ مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔

"فرزانہ — کیوں اس کی باتوں میں اُلجھ کر اپنا دماغ خراب کر رہی ہو؟" محمود نے بڑا سا منہ بنایا۔

"سن لو فرزانہ — تمہارے دماغ کو خراب کہہ رہا ہے — کیا تمہارا دماغ خراب ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"نہیں تو — کیوں محمود — تم نے میرے دماغ کو خراب کیوں کہا؟" فرزانہ نے غصیلے انداز میں کہا۔

"دھت تیرے کی — اسے بھی آخر اپنے ساتھ ملا ہی لیا۔" محمود نے بے دھیانی میں درخت کے تنے پر ہاتھ مار کر کہا اور پھر اُف کر کے ہاتھ کو جھٹکنے لگا۔

"کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں — ہاتھ درخت سے ٹکرا گیا تھا۔" محمود بولا، وہ بار بار ہاتھ کو جھلا رہا تھا۔

"تو دھیان سے کھڑے ہونا — اس مرتبہ کہیں درخت ہاتھ سے نہ ٹکرا جائے۔" فاروق مسکرایا اور فرزانہ کی ایک بار پھر ہنسی نکل گئی۔

"مت بور کرو بھائی — میں کہتا ہوں، آخر یہ کیا مصیبت ہے۔ کیا ہمیں آج ہی

چوری کا پروگرام بنانا تھا۔" محمود نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"بلکہ یوں کہو کہ ان حضرت کو بھی آج ہی رسی کی سیڑھی کے ذریعے پروفیسر انکل کے گھر میں داخل ہونا تھا۔ ہمیں کم از کم ایک بار تو چوری کر لینے دی ہوتی، اس کے بعد جو جی چاہے کرتا رہتا۔"

"معلوم ہوتا ہے، اسے اندر جا کر نیند آ گئی ہے۔" محمود تنگ آ کر بولا۔

"تو چلو اسے جگا دیں اور بتائیں — بھائی! یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ پروفیسر داؤد کا گھر ہے۔ اگر انہوں نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ جاؤ اپنے گھر جا کر گہری نیند کے مزے لوٹو — اور ہمیں اپنے پروگرام پر عمل کرنے دو۔"

"تو چلو پھر — ہم بھی سیڑھی کے ذریعے اندر چلتے ہیں۔" فرزانہ نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔

"پہلے ہی یہ پروگرام بنا لیتے — اتنا وقت یونہی ضائع کیا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب یہ تو معلوم نہیں تھا، وہ اندر جا کر ہی بیٹھ جائے گا۔" محمود نے جواب دیا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے، کوئی اس سیڑھی کے ذریعے اندر گیا بھی ہے یا نہیں۔" فاروق نے کندھے اُچکائے۔

"ٹھہرو — کیوں نہ ہم صدر دروازے کی طرف سے جا کر پروفیسر انکل کو خبردار کر دیں۔" محمود کو اچانک خیال آیا۔

"کاش! تم نے یہ ترکیب بھی پہلے سوچی ہوتی۔" فاروق نے بُرا سا منہ

بنا کر کہا اور فرزانہ کو پھر ہنسی آگئی۔

"تو اب کیا ہو گیا ہے۔ ابھی کون سا وہ سیڑھی سے اُتر کر کہیں چلا گیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال ہے محمود ٹھیک کہہ رہا ہے، ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے چلو۔"

ابھی وہ درختوں کے پیچھے سے نکلنے کے لیے تیار ہوئے ہی تھے کہ ٹھٹھک کر رُک گئے۔ ان کی نظریں سیڑھی پر جا پڑی تھیں۔ کوئی اس کے ذریعے نیچے رہا تھا۔ ان کے دل دھڑک اُٹھے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کے جانے کے چند منٹ بعد ہی بیگم شیرازی اندر داخل ہوئیں۔

"آؤ بہن۔ کیا حال ہے۔" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی جان آپ کا فون ہے۔" بیگم شیرازی نے انسپکٹر جمشید سے کہا۔

"او اچھا۔" وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ چل کر فون سنیں، میں ذرا اپنی بہن سے دو باتیں کر کے آتی ہوں" بیگم شیرازی مسکرائیں۔

"اچھا۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

بیگم شیرازی اور بیگم جمشید دونوں ایک دوسرے کو بہن کہتی تھیں اور اکثر آپس میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ انسپکٹر جمشید ان کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ ریسیور میز پر رکھا تھا۔ انہوں نے اٹھا کر کان سے لگایا اور بولے۔

"ہیلو...... میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"تو یہ تم ہو۔ خدا کے بندے آج کل کہاں رہا کرتے ہو۔ کتنے دن ہو گئے تمہیں اور بچوں کو دیکھے۔" دوسری طرف سے پروفیسر داؤد کی شکایت سے لبریز آواز سنائی دی۔

"اوہ پروفیسر صاحب آپ ہیں۔ تو آپ بھی تو نہیں آئے اتنے دنوں سے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"میں ان دنوں ایک کام کے سلسلے میں بہت مصروف ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تو میں اور بچے ہی کب فارغ رہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کل انہیں چھٹیاں ہیں۔" پروفیسر داؤد نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے...... لیکن آپ کا یہ کہنے سے کیا مطلب ہے۔"

"انہیں فوراً میرے ہاں بھیج دو۔" پروفیسر صاحب نے گویا حکم دیا۔

"آپ کے ہاں۔ لیکن کس لیے؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر پوچھا۔

"چھٹیاں وہ یہاں گزاریں گے، سنا تم نے۔" پروفیسر داؤد نے اٹل لہجے میں کہا۔

”اوہ! تو یہ تم ہو۔ بھئی بہت خوب! میں نے دراصل تمہیں ہی فون کیا تھا۔ کیا تمہیں تمہارے فرشتوں نے اطلاع دی تھی کہ میں فون کرنے والا ہوں؟“ خان رحمان نے ہنس کر کہا۔

”نہیں تو۔ میرے فرشتے تو آج کل چھٹی پر ہیں۔“ انسپکٹر جمشید بھی جواب میں ہنسے۔

”تو پھر تم یہاں کس طرح موجود ہو اور فرشتوں کو کہاں چھوڑ آئے؟“ خان رحمان نے بھی ہنس کر کہا۔

”ابھی ابھی پروفیسر صاحب کا فون آیا تھا ان کا فون سن کر مڑا ہی تھا کہ تمہارا فون آ گیا۔“

”تو یہ بات ہے۔ پروفیسر کا کیا حال ہے۔ بہت دنوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔“ خان رحمان نے پوچھا۔

”ٹھیک ہیں۔ وہ آج کل بہت مصروف ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

”اچھا خیر۔ میں نے تمہیں فون اس لیے کیا ہے کہ حامد، سرور اور ناز مجھے بہت تنگ کر رہے ہیں۔“

”تو کیا بدلے میں تم مجھے تنگ کرنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”نہیں۔ یہ بات نہیں۔ وہ ضد کر رہے ہیں کہ محمود، فاروق اور فرزانہ یہ چھٹیاں ان کے ساتھ گزاریں۔“

”کیا!!“ انسپکٹر جمشید زور سے چلائے۔

”سمجھا۔ انہوں نے آپ سے ذکر کیا ہوگا۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بہرحال تم انہیں کم از کم ایک ہفتے کے لیے یہاں بھیج دو۔“ پروفیسر بولے۔

”اچھی بات ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”یہ ہوئی نا بات۔ بس ابھی بھیج دو۔ میں اور شائستہ ان کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ وہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ ابھی آ جائیں گے تو روانہ کر دوں گا۔“ انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

”خدا حافظ!“ پروفیسر داؤد نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

انسپکٹر جمشید بھی ریسیور رکھ کر مڑے اور ڈرائنگ روم سے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف چلے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ وہ رک گئے اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

”ہیلو۔ کون صاحب۔“ انہوں نے پوچھا۔

”ہائیں۔ یہاں سے تو کوئی مرد بول رہا ہے۔ کیا یہ بیگم شیرازی کا گھر نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے خان رحمان کی حیرت زدہ آواز سنائی دی اور انسپکٹر جمشید مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور بولے۔

”بے شک یہ بیگم شیرازی کا ہی گھر ہے مگر یہاں کسی مرد کا داخلہ بند تو نہیں ہے، خاص طور پر ان کے پڑوسی فون سننے تو آ ہی سکتے ہیں بلکہ اکثر آتے ہی رہتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“

"کیا بات ہے تم اتنے زور سے کیوں چلا رہے ہو۔" خان رحمان نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"آ گئی مصیبت!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب۔ کس کی مصیبت آ گئی۔ میری، تمہاری یا بچوں کی!" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"مصیبت تو شاید میری ہی آئے گی۔ ابھی ابھی پروفیسر صاحب نے مجھ سے یہی کہا" انہوں نے جلدی سے بتایا۔

"کیا مطلب۔ کیا کہا ہے؟" خان رحمان چونکے۔

"کہ بچوں کو ان کے گھر بھیج دوں۔"

"کیا!!" اس مرتبہ خان رحمان زور سے چلائے۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

"اسی لیے میں نے کہا تھا کہ آ گئی مصیبت۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور میرا خیال ہے کہ ایک مرتبہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے اور میں نے بچوں کو بھیجنے کے لیے کہا تھا ادھر پروفیسر نے۔ کیا ہمارے فرشتے مل کر کوئی شرارت کرتے ہیں؟"

"آج تمہارے سر پر فرشتے کیوں سوار ہیں۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"چھوڑو یار۔ میں خود آ رہا ہوں۔ بچوں کو پروفیسر کے گھر نہ بھیجنا۔" خان رحمان نے اٹل لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔ تو میں پروفیسر صاحب کو بھی یہاں ہی بلا لیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے تجویز پیش کی۔

"یہ تو کل ہی ہوگا۔" یہ کہہ کر خان رحمان نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ فوراً ہی انسپکٹر جمشید نے پروفیسر داؤد کو فون کیا اور جب ساری بات انہیں بتائی تو وہ چیخ کر بولے

"خبردار۔ بچوں کو خان رحمان کے گھر نہ بھیجنا۔ میں پہنچ رہا ہوں۔"

انگلیوں سے دھواں نکلتا ہے

"شش... شی..." محمود نے منہ سے آواز نکال کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

تینوں نے دم سادھ لیا۔ درختوں کے پیچھے مکمل طور پر چھپ گئے۔ رسی کی سیڑھی سے اترنے والے کے کپڑے سیاہ تھے۔ ابھی وہ اس کا منہ نہیں دیکھ پائے تھے، پھر بھی ان کا خیال تھا کہ وہ بھی نقاب میں چھپا ہوگا۔ سیڑھی کا نچلا سرا بار بار دیوار سے ٹکرا رہا تھا جس سے یہ بات معلوم ہو رہی تھی کہ سیاہ پوش برابر نیچے اُتر رہا ہے۔ آخر سیڑھی ٹکرانے کی آواز بند ہوئی، پھر انہیں یوں لگا جیسے سیڑھی نیچے گر پڑی ہو۔ محمود نے ہمت کر کے تھوڑا سا سر باہر نکالا۔ اس نے دیکھا، وہ سیڑھی کو لپیٹ رہا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اب سیڑھی اس کے ہاتھوں میں تھی۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور جنگل میں ابھی سے تاریکی پھیلنے لگی تھی۔ اب سیاہ پوش ایک طرف چلنے لگا، لیکن اس کا رُخ ان کی طرف نہیں تھا۔ وہ گھنے جنگل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

محمود نے فاروق اور فرزانہ کو اشارہ کیا اور تینوں اپنے اپنے درخت کے پیچھے سے نکل آئے۔ اب وہ دبے پاؤں اس کا پیچھا کر رہے تھے اس کام میں وہ پوری احتیاط کر رہے تھے، کیونکہ درمیانی فاصلہ بہت تھوڑا تھا اور اگر کوئی ہلکی سی آہٹ بھی ان کی طرف سے ہو جاتی تو وہ فوراً پلٹ کر دیکھ لیتا۔ چہرہ وہ اب بھی نہیں دیکھ سکے تھے۔ ان کے ذہن برابر اسی اُدھیڑ بن میں لگے تھے کہ آخر یہ کون ہے، کیا چاہتا ہے اور پروفیسر انکل کی کوٹھی میں کیوں داخل ہوا تھا۔ وہ کون تھا جس نے سیڑھی اوپر سے نیچے پھینکی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پروفیسر کے گھر کے اندر کوئی اس کا ساتھی بھی موجود ہے۔ معاملہ بہت خطرناک تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ پروفیسر ان دونوں دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا۔ یہ کہ وہ گھر جاتے ہی اپنے ابا جان کو یہ سارا واقعہ سنائیں گے تاکہ اس معاملے کو وہ اپنے ہاتھ میں لے سکیں۔

اچانک فاروق کے پاؤں کے نیچے کوئی خشک شاخ کا ٹکڑا آ گیا۔ وہ چٹاخ کی آواز سے ٹوٹا۔ سیاہ پوش نے چونک کر پیچھے دیکھا اور وہ سکتے کے عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ سیاہ پوش کا چہرہ بھی نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

"کون ہو تم؟" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

"ہم... ہم لڑکے ہیں۔ گھر سے سیر کرنے نکلے ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"تو تم جنگل کی سیر کر رہے ہو۔" اس نے غرا کر کہا۔

"جی ..... جی ہاں ۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو ۔" اس نے تینوں کو گھور کر دیکھا۔

"نہیں تو ۔ ہم تو سیر کر رہے ہیں ۔" محمود نے جواب دیا۔

"جھوٹ بکتے ہو ۔ تم میرا پیچھا کر رہے تھے ۔" وہ زور دار آواز میں بولا

"جی ... جی ہاں ..... یہ ٹھیک ہے کہ ہم آپ کا پیچھا کر رہے تھے ۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم آپ کو بھوت سمجھے تھے، چونکہ اس سے پہلے ہم نے کبھی بھوت نہیں دیکھا، اس لیے آپ کا پیچھا شروع کر دیا، لیکن معلوم ہوتا ہے۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہے ۔ آپ ..... تو شاید انسان ہیں ۔ کیا واقعی آپ بھوت نہیں ہیں ۔" فاروق معصوم انداز میں کہتا چلا گیا۔

"بکو مت ۔ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا ۔" اس نے گرج دار آواز میں کہا

"بھائی محمود ۔ ہم سے بڑی غلطی ہوئی ۔ یہ تو کوئی آدمی ہے ۔" فاروق نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"او ہاں ..... بھوت تو کسی کی زبان نہیں کھینچا کرتے ۔ واقعی ۔ چلو واپس چلتے ہیں ۔" محمود بولا۔

"بالکل ہمیں واپس چلنا چاہیے ..... لیکن پہلے ان سے معافی تو مانگ لو۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے ۔ بھیا آدمی ..... ہمیں معاف کر دو ۔ آئندہ ہم تمہارا کیا کسی کا بھی پیچھا نہیں کریں گے ۔ ہم سے بڑی غلطی ہوئی کہ تمہیں بھوت سمجھ

بیٹھے، لیکن معلوم ہوا، بھوتوں سے تو آپ کو دور کا بھی واسطہ نہیں ۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں معافی دے دیتا ہوں ۔ یہ لو معافی ۔" اس نے ہنس کر کہا۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا ۔ اس میں سے دھوئیں کی پانچ پتلی پتلی لکیریں نکلیں ۔ جو سیدھی اُن کی ناک کی طرف آگے بڑھیں ۔ دوسرے ہی لمحے وہ زمین پر بے ہوش پڑے تھے ۔ بے ہوش ہونے سے پہلے فاروق کے منہ سے اتنا ضرور نکلا۔

"ہائیں ۔ یہ کیسی معافی ....."

خان رحمان پروفیسر داؤد سے پہلے پہنچے ۔ شاید وہ فون کا ریسیور رکھتے ہی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے تھے ۔ یوں بھی انہیں کار تیز چلانے کا شوق تھا۔ پروفیسر ٹھہرے بوڑھے آدمی ۔ کار بھی احتیاط سے چلانے کے عادی تھے۔ خان رحمان نے آتے ہی کہا۔

"تم نے ابھی بچوں کو بھیجا تو نہیں"

"نہیں ۔ اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے ۔ آؤ بیٹھو اطمینان سے باتیں ہوں گی ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مگر بچے کہاں ہیں ۔" خان رحمان نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

"گھومنے گئے تھے ۔ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے ۔" انہوں نے جواب دیا۔

Scanned by CamScanner

"کہیں ایسا تو نہیں کہ پروفیسر انہیں لے کر جا چکے ہوں۔" خان رحمان نے بے اعتباری سے کہا۔

"یار کمال ہے، تم مجھے جھوٹا کب سے سمجھنے لگے۔ خدا کے بندے، پروفیسر بے چارے تو ابھی یہاں پہنچے بھی نہیں۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید اُٹھتے ہوئے بولے۔

"لو۔ شاید آ گئے۔"

"چلو اچھا ہے۔ دو ٹوک فیصلہ ہو جائے گا۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"ہوں۔ تو تم پہنچ گئے ہو۔ لیکن کان کھول کر سن لو۔ تینوں بچے میرے ساتھ جائیں گے۔" پروفیسر داؤد نے آتے ہی کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" خان رحمان نے اڑتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔" فون پہلے میں نے کیا تھا، اس لیے حق میرا بنتا ہے۔"

"تم ایک ہفتے بعد لے جانا۔" خان رحمان نے نرمی سے کہا۔

"تو تم ایک ہفتہ بعد کیوں نہیں لے جا سکتے۔" پروفیسر صاحب نے جھلا کر کہا۔

اس دوران انسپکٹر جمشید برابر مسکرائے جا رہے تھے۔ انہوں نے ابھی تک دونوں کے درمیان دخل نہیں دیا تھا۔ اتنے میں بیگم جمشید چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

"پہلے چائے پی لیں۔ لڑتے بعد میں رہیے گا۔"

"اسلام علیکم بھابی۔" خان رحمان چونک کر بولے۔

"کیسی ہو شکیلا۔" پروفیسر صاحب نے کہا۔ وہ ہمیشہ انہیں نام لے کر بلاتے تھے۔

"وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں، شکر ہے خدا کا۔" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔

چائے کے ساتھ ساتھ ان کی لڑائی بھی جاری رہی۔

"میں کہتا ہوں، آج میں ہرگز نہیں مانوں گا۔" پروفیسر بولے۔

"تو میں ہی کب مانوں گا۔" خان رحمان نے کندھے اُچکائے۔

"آپ دونوں ٹاس کیوں نہیں کر لیتے۔" انسپکٹر جمشید نے مشورہ دیا جس پر سب کو ہنسی آ گئی۔

"میں کیوں ٹاس کروں۔ میں نے پہلے فون کیا تھا۔" پروفیسر صاحب نے انکار میں سر ہلایا۔

"تو پھر یہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بچے کو ایک لے جائے اور باقی دو کو دوسرا ایک لے جائے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح مزا کرکرا ہو جائے گا۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! مزے کی بھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے زور سے سر ہلایا۔

"تو پھر یہ فیصلہ بچوں پر چھوڑ دیں۔ وہ جہاں چاہیں گے، چلے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے نئی تجویز پیش کی۔

"نہیں۔ بچے اُلجھ جائیں گے اور کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔" خان رحمان

بولے۔

"تو پھر آخر یہ جھگڑا کیسے طے ہوگا۔ بھئی ایمان کی بات تو یہ ہے کہ حق

پروفیسر صاحب کا پہلے بنتا ہے، کیونکہ ان کا فون پہلے موصول ہوا تھا۔" انسپکٹر

جمشید نے جھگڑا چکانے کی نیت سے کہا۔

"بالکل۔ یہی تو میں بھی کہتا ہوں۔" پروفیسر خوش ہو کر بولے۔

"بھابھی آپ کیا کہتی ہیں۔" مجبور ہو کر خان رحمان بیگم جمشید کی طرف

مڑے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ پہلا ہفتہ وہ پروفیسر صاحب کے ہاں رہیں اور

پھر آپ کے ہاں۔ باقی رہے ہم دونوں...... تو ہم صبر کریں گے اور

جب انہیں دیکھنے کو جی چاہا کرے گا، ہو آیا کریں گے۔"

بیگم جمشید کی اس بات پر ایک قہقہہ لگا۔

"یہ تینوں رہ کہاں گئے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"خدا جانے۔ اتنی دیر تو کبھی نہیں لگاتے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"بہرحال۔ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ بچے میرے ساتھ جائیں گے۔" پروفیسر

بولے۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن صرف ایک ہفتے کے لیے۔ ٹھیک ساتویں دن میں تمہارے

ہاں آ جاؤں گا۔" خان رحمان نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔ اس صورت میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" پروفیسر

بولے۔

"تو پھر...... میں یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہوں۔ مجھے پلٹنا چاہیے۔" خان رحمان

اٹھتے ہوئے بولے۔

"بیٹھو یار۔ اب آئے ہو تو بچوں سے ملتے جانا۔ بس آتے ہی ہونگے۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بیٹھ تو جاتا ہوں، لیکن کہیں پروفیسر صاحب کو ناگوار نہ گزرے۔"

"لو بھلا۔ مجھے کیوں ناگوار گزرنے لگا۔" پروفیسر مسکرائے۔

"آج کل تجربات کا کیا حال ہے۔"

"تجربات کرتا رہتا ہوں، جب تک زندہ ہوں کرتا رہوں گا۔" انہوں نے

پختہ لہجے میں کہا۔

"آج کل بھی آپ کی کوٹھی کے گرد پہرہ رہتا ہے۔" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"پہرے کے بغیر تو چارہ ہی نہیں۔ دشمن ہر وقت میری تاک میں رہتے

ہیں۔"

"پھر تو آپ کی زندگی بہت مشکل ہے۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں اور شائستہ عادی ہو گئے ہیں۔"

"کتنے آدمی پہرہ دیتے ہیں؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"آٹھ کانسٹیبل ہیں اور ان پر دو ہیڈ کانسٹیبل ہیں۔ آٹھ گھنٹے دو

آدمی ڈیوٹی دیتے ہیں۔ آٹھ گھنٹے بعد دوسرے چار آ جاتے ہیں۔ ایک

ان کے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل رہتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک ذاتی چوکیدار

بھی ہے۔"

"کیا یہ دس کے دس رہتے بھی وہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں۔ انہیں سرونٹ کوارٹر دے دیے گئے ہیں۔"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

واپسی

جب انہیں ہوش آیا، مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھے۔ پہلے کچھ دیر آنکھیں ملتے رہے، پھر سروں کو جھٹکے دیے اور آخر جب ذہن کام کرنے کے قابل ہوئے تو محمود نے کہا۔

"ہائیں ..... یہ ہم کہاں ہیں۔"

"شاید کسی جادوئی دیس میں۔" فاروق بولا۔

"ہشت! ہم جنگل میں ہیں اور یہ جنگل پروفیسر انکل کی کوٹھی کی پشت پر ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ! اب یاد آیا۔ ہم یہاں چوری کرنے آئے تھے۔" محمود بولا۔

"لیکن خود ہی کسی چور کا شکار ہو گئے۔" فاروق مسکرایا۔

"مگر بھئی ..... وہ آدمی تھا یا کوئی جن۔ کہیں وہ کوئی جادوگر تو نہیں تھا۔" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"جادوگر ایسے تو نہیں ہوتے۔" فاروق بولا۔

"تو پھر کیسے ہوتے ہیں۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"میں نے آج تک کوئی جادوگر نہیں دیکھا، تمہیں کیا بتاؤں۔" فاروق
معصومیت سے کہا۔

"میں حیران ہوں۔ اگر وہ آدمی تھا تو اس کی انگلیوں سے دھواں کیوں
تھا اور وہ دھواں کیسا تھا جس نے ہمیں بے ہوش کر دیا تھا۔" محمود بولا۔

"خدا جانے کیا چکر ہے۔ ہمیں ان حالات کی خبر جلد از جلد ابا جان کو دینی
کہیں پروفیسر انکل کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں۔ اوہ۔ . . ہمیں تو بہت دیر ہو چکی ہے۔ ابا جان ناراض ہو رہے
ہوں گے۔" فاروق چونکا۔

"تو چلو پہلے گھر چلتے ہیں۔ پھر سوچیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔" محمود نے
اُٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ حضرت کہاں چلے گئے جن کی
انگلیوں سے دھواں نکلتا ہے۔"

"وہ ضرور اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا ہوگا اور اب شاید ہی رسی کی سیڑھی
سے پروفیسر انکل کی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔" فرزانہ
نے خیال ظاہر کیا۔

"کیوں۔ وہ ایسا کیوں نہیں کرے گا۔" محمود نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ ہم اسے دیکھ چکے ہیں۔" فرزانہ نے جواب میں کہا۔

"لیکن اس نے ضرور ہمیں سیر کی غرض سے جنگل کی طرف نکل آنیوالے
خیال کیا ہوگا۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

پھر بھی۔ احتیاطاً وہ کچھ دن اپنے پروگرام پر عمل نہیں کر سکے گا۔"
فرزانہ بولی۔

"پروگرام۔ کیا وہ کسی پروگرام کے تحت اندر داخل ہوا تھا۔" محمود
چونکا۔

"اور کیا وہ کوئی عام چور تھا اور چوری کرنے اندر داخل ہوا تھا۔ یہ ضرور
کوئی بہت لمبا چکر ہے اور اس چکر کا اندازہ ہم پروفیسر انکل سے مل کر ہی
لگا سکیں گے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"فرزانہ ٹھیک کہتی ہے۔ عام چور رسی کی سیڑھیاں لے کر نہیں پھرتے
اور نہ ان کی انگلیوں سے دھواں نکلتا ہے۔" محمود بولا۔

"پھر۔ اب کیا کیا جائے۔"

"کرنا کیا ہے، واپس چلتے ہیں۔ اس عجیب و غریب آدمی کا پروگرام جو بھی
ہے اس پر بعد میں غور کیا جائے گا۔"

آخر وہ واپس چل کھڑے ہوئے۔ کافی دور تک پیدل چلتے رہنے کے
بعد انہیں ایک رکشا مل ہی گیا اور اس نے چند منٹوں کے اندر انہیں گھر کے
سامنے اتار دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس لیے محمود نے گھنٹی کا بٹن
دبایا۔

دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی انہیں پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔
بے اختیار فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"ارے! پروفیسر انکل یہاں ہیں۔"

"کیوں ۔ کیا بات ہے ۔ تمہیں ان کی یہاں موجودگی پر حیرت کیوں ہے
کیا تم انہیں کہیں اور دیکھ چکی ہو ۔"

انسپکٹر جمشید جو دروازہ کھولنے کے لیے آئے تھے، حیران ہو کر بولے

"جی ۔ ۔ ۔ جی نہیں تو ۔ ان کی آواز سن کر جملہ منہ سے نکل گیا۔

"خیر ۔ چلو اندر خان رحمان بھی موجود ہیں ۔"

"کیا ۔" تینوں نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔

اندر داخل ہوتے ہی تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"السلام علیکم ۔"

"وعلیکم السلام ۔ بھئی کہاں رہ گئے تھے تم تینوں ۔" پروفیسر داؤد
چہکے ۔

"جی بس ۔ ۔ ۔ ذرا سیر کرنے گئے تھے ۔" فاروق شرما کر بولا۔

"اتنی لمبی سیر ۔؟" خان رحمان نے آنکھیں نکالیں ۔

"جی بس ۔ ذرا دور تک نکل گئے ۔"

"کانوں کو ہاتھ لگاؤ ۔ آئندہ اتنی دور نہیں جاؤ گے ۔" خان رحمان نے
پیار بھرے انداز میں کہا۔

تینوں نے مسکراتے ہوئے کانوں کو تھام لیا۔

"تم تینوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اور خان رحمان دونوں تمہیں ا
اپنے گھر لے جانے کے لیے آئے ہیں ۔" پروفیسر صاحب نے انہیں بتایا۔

"لیکن انکل ۔ ۔ ۔ ہم ایک ہی وقت میں آپ دونوں کے ساتھ کیسے

سکتے ہیں ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے ایک کے ساتھ میں چلا جاؤں
اور دوسرے کے ساتھ محمود ۔ رہی فرزانہ تو یہ یہاں ہی رہ جائے گی، کیونکہ
اسے امی جان کا بھی ہاتھ بٹانا ہوتا ہے ۔" فاروق مسکرا کر بولا۔

"تم خود گھر میں کیوں نہیں رہ جاتے ۔" فرزانہ نے کاٹ کھانے والے
انداز میں کہا اور وہ سب ہنس پڑے ۔

"دیکھو بھئی ۔ ۔ ۔ ہم پہلے ہی اس مسئلے پر کافی جھگڑ چکے ہیں اور فیصلہ
یہ ہوا ہے کہ تم تینوں پہلے پروفیسر انکل کے گھر ایک ہفتے کے لیے جاؤ گے،
پھر خان رحمان وہیں سے تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے اور وہاں بھی تم ایک
ہفتہ گزارو گے ۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"اوہ !" تینوں نے ایک ساتھ منہ سے آواز نکالی۔

"تم نے اوہ کیوں کہا ۔ کیا یہ فیصلہ منظور نہیں ۔" خان رحمان نے جلدی
سے کہا۔

"جی نہیں ۔ ۔ ۔ یہ بات نہیں ۔ ہم نے تو اطمینان کا سانس لیا ہے کہ
ہم سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اگر فیصلہ ہم پر چھوڑا جاتا تو شاید ہم رات
گئے تک بھی کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکتے ۔" محمود نے جلدی سے جواب دیا۔

"تو پھر تم تینوں تیاری کر لو ۔ میں اسی وقت تمہیں ساتھ لے کر جانا
چاہتا ہوں ۔ شائستہ گھر میں اکیلی ہے، پریشان ہو رہی ہو گی ۔" پروفیسر
داؤد نے کہا۔

"اوہ ۔ کیا وہاں آپ کے اسسٹنٹ اور ملازم نہیں ہیں ۔" فاروق نے فکرمند

لہجے میں پوچھا۔

"وہ تو تجربہ گاہ میں ہوں گے اور ملازم اپنے کمروں میں ۔ میرا مطلب ہے
وہ اکیلی بور ہو رہی ہو گی ۔"

پروفیسر نے بات کو واضح کیا۔

"ٹھیک ہے ۔ ابا جان ۔ کیا ہمیں اجازت ہے ، ہم تیاری کر لیں۔"

"ہاں بھئی ضرور ۔ پروفیسر انکل کا تم تینوں پر بہت حق بنتا ہے اور
اتنا ہی انکل خان رحمان کا بھی ۔"

"اچھی بات ہے ۔"

یہ کہہ کر تینوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"یہ عجیب بات ہوئی ۔" اپنے کمرے میں آ کر محمود بولا۔

"کبھی تو بات پوری کیا کرو ۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میرا مطلب تھا، ہم پروفیسر انکل کے گھر تک گئے اور وہ یہاں آ گئے
اور ہمارے واپس آنے سے پہلے ہی ہمارا وہاں جانا طے ہو گیا ۔ کیا یہ عجیب
بات نہیں ہے ۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ! ہے تو عجیب ہی ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم ابا جان کو
سب کچھ بتا کر وہاں جائیں ۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"اب جب کہ خود ہمیں وہاں جانے کا موقع مل گیا تو کیوں نہ خاموشی سے

جا کر حالات کا جائزہ لیں ۔ اگر معاملہ کچھ زیادہ گڑبڑ ہوا تو ابا جان کو فون
کر دیں گے ۔" محمود نے رائے پیش کی۔

"چلو ٹھیک ہے ۔" فرزانہ نے اس کی تائید کی۔

"کیا ٹھیک ہے ۔" انسپکٹر جمشید کی آواز آئی اور وہ چونک اٹھے۔
انسپکٹر جمشید دروازے میں کھڑے انہیں مسکرا مسکرا کر گھور رہے تھے۔

"کیا بات ہے ابا جان ! آپ ہمیں اس طرح کیوں گھور رہے ہیں ۔"

"تم لوگ پروفیسر داؤد کی کوٹھی کی طرف کیا کرنے گئے تھے ؟" انسپکٹر جمشید
نے اچانک پوچھا اور وہ بری طرح چونکے ۔ ان کے اوپر کے سانس اوپر اور
نیچے کے نیچے رہ گئے۔

کمرے میں کچھ دیر تک خاموشی رہی ۔ ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔
وہ حیران تھے کہ آخر ان کے والد کو کس طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ پروفیسر
داؤد کی کوٹھی کی طرف گئے تھے ۔ آخر محمود نے کہا۔

"ابا جان ۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم پروفیسر انکل کی کوٹھی کی طرف
گئے تھے ۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم گئے تھے ۔" انسپکٹر جمشید نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"آخر آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی ۔" فرزانہ نے الجھ کر پوچھا۔

"بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ تم تینوں ان کی کوٹھی کے پیچھے جو جنگل
ہے، اس میں بھی گئے تھے ۔"

"جی ۔ !!!" تینوں ہکا بکا رہ گئے۔

"ابا جان! کیا آپ نجومی ہیں۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں تو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا آپ جادوگر ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل نہیں۔ جادو سے تو مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں۔" انھوں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ نے ہمارے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہماری باتیں سنی ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"یہ بات بھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے جا رہے تھے۔

"پھر آخر آپ نے کیسے جان لیا کہ ہم پروفیسر انکل کی کوٹھی کی طرف گئے تھے۔" فاروق نے پوچھا۔

"تو تم اس طرف گئے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں لبغور دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ادھر گئے تھے اور آپ کی یہ بات بھی بالکل ٹھیک ہے کہ ہم کوٹھی کے پیچھے جنگل میں گئے تھے۔" فرزانہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب۔ تو میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔"

"آخر آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا۔"

"ایک سراغرساں کا کام ہی یہی ہے۔ وہ گھر بیٹھے بہت کچھ جا[illegible]تا ہے۔ جب تم لوگ واپس آئے، تم نے دروازے کی گھنٹی بجائی تو میں نے دروازہ

کھولا تھا۔ اسی وقت تمہارے کانوں سے پروفیسر داؤد کی آواز ٹکرائی۔ اور غیر ارادی طور پر فرزانہ کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا ..... ایسے پروفیسر انکل یہاں ہیں۔ یہ جملہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ فرزانہ کو پروفیسر کے یہاں ہونے پر تعجب ہوا تھا۔ اب اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہوا کہ اسے پروفیسر کے کسی اور جگہ موجود ہونے کی امید تھی لیکن کہاں ..... ظاہر ہے کہ پروفیسر تو کبھی اپنے گھر سے مشکل ہی نکلتے ہیں۔ میں شک میں مبتلا ہو گیا۔ پھر جب تم اندر آ گئے تو میں نے تم تینوں کو غور سے دیکھا اور تمہارے کپڑوں پر کچھ ایسے نشانات صاف نظر آئے جو درختوں کی رگڑ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس پورے شہر میں نزدیک ترین جنگل پروفیسر کی کوٹھی کے پیچھے واقع ہے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ تم ادھر گئے تھے اور جنگل میں درختوں کے بیچ بیچ سے کیوں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے اور انھیں دیکھنے لگے۔

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں۔" محمود نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ تینوں دنگ تھے۔

"اب تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ تم تینوں اس طرف کیا کرنے گئے تھے اور اگر گئے تھے تو جانے سے پہلے مجھ سے اجازت کیوں نہیں لی تھی، کیونکہ میں نے تمہیں سختی سے کہہ رکھا ہے کہ جہاں جانا ہو، بتا کر جاؤ۔" انسپکٹر جمشید کی سوالیہ نگاہیں ان پر جم گئیں۔

تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ۔ کہ اب کیا جواب دیں ۔ وہ پروفیسر انکل کے گھر چوری کرنے گئے تھے ۔ اب وہ انہیں کیسے بتاتے، دوسری طرف انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا ۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں نصیحت کی تھی کہ جھوٹ ہرگز ہرگز نہ بولیں ۔ کیونکہ تمام برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے ۔

آخر محمود گلا کھنکھار کر بولا ۔

"ابا جان ! ہم جو کچھ کہیں گے، سچ کہیں گے ۔ البتہ کچھ بتانے سے پہلے یہ ضرور کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری نیت بالکل نیک تھی ۔"

"ٹھیک ہے ۔ تم اصل بات بتاؤ ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"جی وہ .... بات یہ ہے کہ ہم دراصل .... جی ہاں ......" محمود نے کہنا چاہا، لیکن زبان نے اس کا ساتھ نہ دیا ۔

"کہو کہو ۔ ڈرو نہیں ۔"

"بات یہ ہے ابا جان ..... کہ ....." فاروق نے بتانا چاہا مگر اس کی ہمت بھی جواب دے گئی ۔

"خدا خیر کرے ۔ آخر وہ کیا بات ہے جسے بتانے کے لیے تم اس حد تک گھبرا گئے ہو ۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر

لا ۔

"ابا جان میں بتاتی ہوں ۔ ہم تینوں پروفیسر انکل کے گھر چوری کرنے گئے تھے ۔"

"کیا !!!"

اس مرتبہ انسپکٹر جمشید کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا ۔

خوفناک چیخ

آخر انہیں انسپکٹر جمشید کو ساری بات بتانی پڑی۔ وہ سن کر خوب ہنسے اور پھر جب اس سیاہ پوش کا ذکر آیا جس کی انگلیوں سے دھوئیں کی لکیریں نکلی تھیں تو وہ دھک سے رہ گئے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اسی لیے تو ہمیں اس قدر دیر ہوئی ہے۔" محمود بولا۔

"یہ تو تم نے بہت خطرناک بات سنا دی۔" انہوں نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"اب ہم کیا کریں؟" فاروق نے پوچھا

"تم خاموشی سے پروفیسر صاحب کے ساتھ چلے جاؤ۔ وہاں جا کر چوکس رہو۔ ہر آدمی پر کڑی نظر رکھو۔ تمہیں معلوم کرنا ہے، وہ کون آدمی ہے جو دشمنوں سے مل گیا ہے اور یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ پروفیسر بہت کمزور دل کے آدمی ہیں۔ انہیں ابھی اس معاملے کی بھنک بھی نہ پڑے۔ البتہ یہ ضرور معلوم

کر لینا کہ وہ آج کل کس تجربے پر کام کر رہے ہیں۔ میں ہر وقت تمہارے آس پاس رہوں گا ..... لیکن تمہارے یا کسی اور کے سامنے نہیں آؤں گا۔ ہم خاموشی سے کام کرتے ہوئے اصل دشمن کو گرفتار کر سکتے ہیں، لیکن اگر باقاعدہ تفتیش شروع کر دیں تو دشمن ہوشیار ہو جائے گا اور وہ فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ اس صورت میں صرف وہ شخص گرفتار ہو سکے گا جو پروفیسر صاحب سے غداری کر رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"بہت بہتر۔ ہم آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اب تم وہاں چھٹیاں گزارنے نہیں، کام کرنے جا رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے ابا جان!"

اسی وقت پروفیسر صاحب کی آواز آئی۔

"ارے بھئی۔ یہ آخر تیاری میں کتنے گھنٹے لگیں گے اور تم بچوں کے ساتھ کیا گھسر پھسر کر رہے ہو۔" یہ کہتے ہوئے پروفیسر صاحب وہاں آ گئے اور کہنے لگے۔

"کہیں انہیں یہ نصیحتیں تو نہیں کر رہے کہ وہاں جا کر کوئی بدتمیزی نہ کرنا، کم کھانا، یہ کرنا، وہ نہ کرنا۔ دیکھو بھئی۔ میرا گھر ان کا اپنا گھر ہے، اس قسم کی ہدایات دینے کی ضرورت نہیں۔"

"بہت اچھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بلکہ انہیں یہ ہدایت کرو کہ وہاں جاکر پروفیسر صاحب کا خوب مال کھا[ئیں]
اپنی مرضی کے کھانے پکوانا۔"

پیچھے سے خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

اور وہ ہنس پڑے۔ آدھ گھنٹے بعد وہ پروفیسر داؤد کے ساتھ روانہ
ہو چکے تھے۔ وہ اپنی کار میں آئے تھے۔ جونہی کار روانہ ہوئی، ان کی باتیں
شروع ہو گئیں۔

"آپ شائستہ کو ساتھ کیوں نہیں لائے۔" فرزانہ نے پروفیسر صاحب
سے پوچھا۔

"آج کل میں گھر کو خالی نہیں چھوڑتا۔ یا میں خود گھر میں موجود رہتا
ہوں یا شائستہ۔" انہوں نے جواب دیا۔

"کیا کوئی خاص وجہ ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! وجہ بہت ہی خاص ہے۔ گھر پہنچ کر بتاؤں گا۔" پروفیسر صاحب
معنی خیز انداز میں مسکرائے

"یہاں بتانے میں کیا حرج ہے۔" فاروق بولا۔

"بھئی۔ کیا تم نے سنا نہیں، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" پروفیسر
صاحب مسکرائے۔

"جی ہاں۔ سنا ہے، لیکن یہاں دیواریں کہاں ہیں البتہ دیواریں گھر میں
ضرور ہوں گی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا تمہارا خیال ہے، کار کی دیواروں کے کان نہیں ہوتے ہوں گے۔"

پروفیسر داؤد ہنسے۔

"تو..... کیا ہوتے ہیں؟" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! کار کی دیواروں کے کان تو بہت لمبے ہوتے ہیں۔"

"وہ کیسے انکل۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجرم لوگ یا پولیس والے جب کسی کار میں ہونے والی بات چیت کو
سننا چاہتے ہیں تو ایک آلہ کار کے نیچے لگا دیتے ہیں۔ یہ آلہ وائرلیس سسٹم
کے تحت کام کرتا ہے اور کار میں ہونے والی تمام گفتگو بخوبی سنی جا سکتی
ہے۔" پروفیسر داؤد نے بتایا۔

"اوہ! پھر تو ہمیں بالکل خاموشی سے بیٹھنا چاہیے۔" فاروق نے ڈرے
ڈرے انداز میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

اسی وقت پروفیسر داؤد نے کار کو بریک لگائے۔ وہ کوٹھی میں داخل
ہو رہے تھے۔ دروازے پہ پولیس والے کھڑے تھے۔ شائستہ برآمدے
میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کار کی طرف لپکی۔

"آپ نے بہت دیر لگائی ابو۔"

"کیوں۔ خیر تو ہے۔"

"میں پریشان ہو رہی تھی کہ کہیں انہیں انکل خان رحمان نہ لے جائیں۔"
شائستہ نے مسکرا کر کہا اتنے میں فرزانہ کار سے باہر آ چکی تھی۔ دونوں ایک
دوسرے سے لپٹ گئیں۔ پھر شائستہ نے محمود اور فاروق سے بھی ہاتھ
ملایا۔

"خان رحمان کی ایسی کی تیسی — اس کی کیا مجال کہ میرے ہوتے ہوئے انہیں لے جا سکتا۔" پروفیسر اکڑ کر بولے۔

"البتہ ٹھیک ہفتہ گزرنے کے بعد وہ ہمیں لینے یہاں ضرور آئیں گے۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

"وہ اور بات ہے۔ ایک فیصلہ ہو چکا ہے اس کی پابندی کرنا میرا فرض ہے۔"

"اچھا انکل — اندر داخل ہونے سے پہلے ہمیں وہ خاص وجہ بتا دیں — کیونکہ اندر دیواریں ہی دیواریں ہوں گی۔" فاروق نے سنجیدگی کے عالم میں کہا۔ محمود اور فرزانہ مسکرانے لگے۔

"ہاں بھئی ضرور — میں تم تینوں کو تو ضرور ہی بتاؤں گا اور دراصل میں تمہیں یہاں لایا بھی اسی خیال سے ہوں۔ دراصل میں ان دنوں ایک انجانا سا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"انجانا سا خطرہ —" انہوں نے چونک کر ایک ساتھ کہا۔

"ہاں! تمہیں یاد ہو گا، شیشے کے کیپسولے سے بم بنانے کا ایک فارمولا نکلا تھا جو میرے حوالے کر دیا گیا تھا۔ میں نے اس پر کام شروع کر دیا تھا۔ پھر دو ایک بہت ہی ضروری کام آ پڑے اور اس معاملے کو درمیان میں ہی چھوڑنا پڑا۔ پچھلے دنوں فارغ ہوا تو پھر کام شروع کر دیا۔ اس پر

لے [illegible] کا کیس پڑھیے
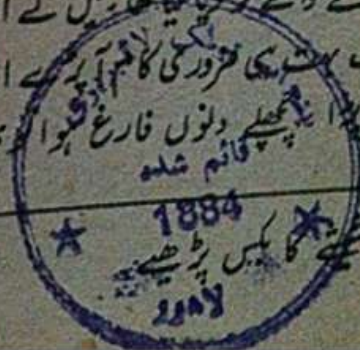
مجھے کئی ماہ تک مسلسل کام کرنا پڑا — اس دوران یہاں سے پہرہ بھی اٹھا لیا گیا تھا۔ میں نے دوبارہ آٹھ دس آدمیوں کی ڈیوٹی یہاں لگوا لی کہ کہیں دشمنوں کے کان میں بھنک نہ پڑ جائے۔" انہوں نے ساری بات تفصیل سے بتائی۔

"اوہ — تو یہ بات ہے —" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں — میں تمہیں اسی لیے یہاں لایا ہوں —" انہوں نے کہا۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ انجانا خطرہ کس بات سے محسوس ہوا —" محمود نے سوال کیا۔

"میں نے محسوس کیا ہے کہ کوٹھی میں کوئی راتوں کو ادھر سے ادھر چلتا پھرتا ہے، لیکن جب بھی میں نے اٹھ کر دیکھا، کوئی نظر نہیں آیا — جونہی مجھے کوئی چلتا پھرتا محسوس ہوتا ہے، میں پستول ہاتھ میں لے کر اپنے کمرے سے نکلتا ہوں — کون ہے، خبردار، گولی مار دوں گا، کی آوازیں نکالتا ہوں۔ اس پر وہ جو کوئی بھی ہے اپنی حرکتیں بند کر دیتا ہے لیکن پھر کچھ دیر بعد شروع ہو جاتا ہے۔"

"کیا آپ کوئی آہٹ سنتے ہیں؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں — آہٹ بھی سنتا ہوں اور قدموں کی چاپ بھی۔"

"معاملہ بہت پُر اسرار ہے — کیا آپ سب باتیں ہمیں بتا چکے ہیں؟" محمود نے کہا۔

"نہیں — ابھی ایک بات رہتی ہے —" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"اور وہ کیا ہے؟" انہوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"اور وہ یہ ہے کہ میں بم بنانے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ دھک سے رہ گئے۔

کچھ دیر تک ساکت کھڑے انہیں گھورتے رہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی بڑی خبر پروفیسر انہیں سنائیں گے۔ آخر محمود نے چونک کر کہا۔

"اس راز سے آپ کے علاوہ اور کون واقف ہے؟"

"اب سے پہلے کوئی واقف نہیں تھا۔ البتہ اب تم چاروں اس راز میں شریک ہو چکے ہو۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اسسٹنٹ بھی بے خبر ہیں۔"

"ہاں! انہیں بھی صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ میں ایک تجربہ کر رہا ہوں۔ وہ تجربہ کیا ہے، یہ میں نے انہیں بھی نہیں بتایا۔" انہوں نے بتایا۔

"آج کل آپ کے ہاں کتنے نائب کام کر رہے ہیں۔" فاروق نے سوال کیا۔

"صرف دو۔ ایک عامر، دوسرا رمضان۔"

"ان دونوں میں سے آپ کو کسی پر شک تو نہیں۔"

"نہیں۔ دونوں بہت ایماندار ہیں اور بہت عرصے سے میرے ساتھ کام

کر رہے ہیں۔ خود بھی اچھے بھلے سائنس دان ہیں۔"

"دونوں رات کو کہاں رہتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"کوٹھی کے پچھلے حصے میں ان کے لیے دو کمرے مخصوص کر دیے گئے ہیں۔"

"تو آپ کو یقین ہے، ان میں سے کوئی غدار نہیں۔"

"نہیں۔ ان پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔"

"کیا بڑے سے بڑا لالچ بھی انہیں بے ایمانی پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

"ہاں! میرا خیال تو یہی ہے۔"

"اچھا۔ باورچی اور مالی وہی پرانے ہیں یا اور ہیں۔" فاروق نے سوال کیا۔

"باورچی تو میرا فوت ہو گیا تھا۔ چند ماہ پہلے میں نے ایک نیا باورچی ملازم رکھا ہے، لیکن وہ بہت ایماندار ہے۔ پانچ وقت کا نمازی ہے۔ اپنا کھانا خود پکاتا ہے، حالانکہ میں نے اس سے کہا بھی کہ جب گھر میں کھانا پکتا ہے اور تم خود پکاتے ہو تو الگ پکانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن وہ نہیں مانتا۔ پہلے ہمارا کھانا تیار کرتا ہے، پھر اپنے کوارٹر میں جا کر اپنا کھانا پکاتا ہے۔"

"اوہ۔" محمود کے منہ سے نکلا پھر بولا۔ "اور مالی؟"

"مالی وہی پرانا ہے۔ تم اسے جانتے ہی ہو۔ سیدھا سادا ان پڑھ آدمی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب ہم دیکھ لیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔" محمود نے کہا۔

"صرف اتنا اور بتا دیں کہ جو بم آپ نے تیار کیا ہے، وہ کہاں ہیں۔"
"اوپر تجربہ گاہ میں — میں ابھی اس کے بارے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں، پھر حکومت کی اجازت سے اسے آزمایا جائے گا۔"
"کیا آپ اس قسم کے اور بم بھی بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"
"پہلا بم بنانا مشکل ہوتا ہے، تجربے کے بعد جب مجھے یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ پروفیسر رشدی کے فارمولے کے مطابق بن گیا ہے۔ تو پھر اور بم بنانا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا — ہر روز بیسیوں بم بنائے جا سکتے ہیں بلکہ اس کام کے لیے ایک الگ فیکٹری قائم کی جا سکتی ہے۔"
"بہت خوب — اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دشمن اس بم کو اڑا لیں تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبے ہوئے سوال کیا۔
"کوئی فرق نہیں پڑے گا — اصل چیز تو فارمولا ہے — اگر فارمولا اڑا لیا جائے تو پھر دشمن ملک بھی بم بنا لے گا۔"
"کیا آپ نے فارمولا محفوظ جگہ پر رکھا ہوا ہے۔"
"ہاں! بہت محفوظ جگہ پر — وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"
"پھر بھی ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے، میں کل کسی وقت تمہیں وہ جگہ دکھا دوں گا۔"
"اگر آپ برا نہ مانیں، تو میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" محمود نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"برا کیوں مانوں گا — بے دھڑک سوال پوچھو۔" پروفیسر داؤد مسکرا دیے۔
"شکریہ! میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ دشمن آپ کو اغوا کر کے لے جائیں تو کیا اس صورت میں بھی وہ بم کا فارمولا معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"
"نہیں — میں ان کے کسی کام نہیں آ سکتا — فارمولا سامنے رکھ کر بم تیار کیا جاتا ہے — البتہ جب ایک بار بم تیار کر لیا جائے تو پھر اجزا ایک ترتیب سے محفوظ کر لیے جاتے ہیں اور اس صورت میں فارمولے کے بغیر بھی بم تیار کیا جا سکتا ہے۔"
"اگر فارمولا کسی اور سائنس دان کے ہاتھ لگ جائے تو کیا وہ اس کی مدد سے بم بنا سکتا ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔
"ہاں — دشمن ملک میں بہت بڑے بڑے سائنس دان ہیں۔ وہ آسانی سے اسے بنا لیں گے۔"
"تب پھر ہمیں اس فارمولے کی اور آپ کی حفاظت کرنی ہو گی۔"
"میری حفاظت کی ضرورت نہیں۔ صرف فارمولے کی حفاظت ضروری ہے اور وہ پہلے ہی محفوظ ہے۔"
"تو پھر آپ نے ہمیں کس لیے بلایا ہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔
"انجانا خطرہ... مجھے ہر وقت سر پر منڈلاتا محسوس ہوتا ہے۔ میں نے سوچا، تم لوگ آ جاؤ گے تو شاید یہ خطرہ ٹل جائے یا اس کا کوئی بندوبست ہو جائے۔"

"خیر ہم دیکھیں گے کہ یہ کیا چکر ہے اور . . . ."

محمود کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے . اسی وقت ایک خوفناک چیخ کی آواز آئی تھی . اس چیخ نے ان سب کو لرزا دیا تھا . انہیں یوں لگا تھا جیسے کسی آدمی کا گلا کاٹ دیا گیا ہو اور یہ چیخ اس کے گلے سے نکلی ہو .

دھماکا

چند سیکنڈ کے لیے وہ ساکت اور جامد رہ گئے - آنکھوں میں خوف تیر گیا پھر جیسے انہیں ہوش آگیا - وہ سب اس طرف دوڑے جس طرف سے وہ خوفناک آواز آئی تھی . دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی برآمدہ تھا اور برآمدے کے آخر میں سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں . آواز انہوں نے اوپر والی منزل سے آتی محسوس کی تھی' اس لیے وہ دوڑتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگے . زینے کے ساتھ ہی پھر ایک برآمدہ تھا اور اس برآمدے کے بیچوں بیچ ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا . وہ اسے دیکھ کر ٹھٹھک گئے . انہیں آگے بڑھتے خوف محسوس ہوا - پھر محمود نے ہمت کر کے کہا .

"کون ہو تم - سیدھے کھڑے ہو جاؤ - ورنہ گولی تمہارے جسم کے پار ہو گی - "

اوندھے منہ پڑے ہوئے شخص نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی' وہ یا تو بے ہوش تھا یا مر چکا تھا . آخر محمود آگے بڑھا اور اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا . وہ اب بھی ٹس سے مس نہ ہوا . آخر محمود نے بالوں سے پکڑ کر

اس کا سر اوپر کیا۔ اور چونک پڑا۔

دوسرے بھی حیران رہ گئے۔ خوف کے مارے ان کے سانس سینے میں اٹکنے لگے۔ اس شخص کی آنکھیں باہر کو اُبل آئی تھیں۔ منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی اور جسم برف کی طرح سرد ہو چکا تھا۔ لاش بالکل اکڑ کر رہ گئی تھی۔

"یہ مر چکا ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"لیکن یہ ہے کون؟" فاروق نے پوچھا۔

"یہ تو پروفیسر صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔"

"نہیں...... میں...... میں اسے نہیں جانتا۔ میں نے آج سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ خدا جانے یہ کون ہے۔" پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر کہا۔

"لیکن یہ اندر کیسے آیا۔ دروازہ تو اندر سے بند تھا۔" شائستہ نے حیران ہو کر کہا۔

"جس روز سے یہ دھما چوکڑی شروع ہوئی ہے، پہلی دفعہ میں نے کسی اجنبی کو دیکھا ہے ورنہ چلنے پھرنے کی آوازیں تو راتوں کو سنتا رہا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ ضرور دشمن ملک کا جاسوس ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن اسے ہلاک کس نے کیا اور یہ یہاں تک کیسے پہنچا۔" پروفیسر نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ تو تفتیش کرنے پر ہی پتا چلے گا۔ آپ پولیس کو فون کریں۔"

پولیس کو فون کیا گیا۔ وہ آئی لیکن کچھ معلوم نہ کر سکی۔ یہ تک نہ

معلوم کر سکی کہ اسے موت کے گھاٹ کس طرح اتارا گیا۔ اس کے جسم پر نہ کوئی زخم کا نشان تھا اور نہ گلا گھونٹنے کے نشانات تھے۔ پولیس تو یہ تک پتا نہ چلا سکی کہ یہ شخص کوٹھی کے اندر کیسے آ گیا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ خاموشی سے یہ ساری کارروائی دیکھتے رہے۔ انہوں نے کوئی دخل نہ دیا اور آخر پولیس لاش لے کر چلی گئی۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے ایک ہی کمرے میں رہنا پسند کیا تھا۔

"وہ کون تھا؟" فاروق نے آرام سے بیٹھنے کے بعد کہا۔

"کیا یہ کسی کہانی کا نام ہے۔" فرزانہ چہکی۔

"ہاں! آج کی کہانی کا نام۔ ہم تینوں کم از کم یہ بات ضرور جانتے ہیں کہ وہ اندر کیسے آیا ہو گا۔ اور اس سے ایک بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ آج ہم نے ان کے ایک ساتھی کو جنگل میں دیکھ لیا تھا۔" فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ شاید یہ بہت دلیر لوگ ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے ہلاک کس نے کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بات سمجھ میں آتے آتے ہی آیا کرتی ہے۔ ایک دم نہیں آ جایا کرتی۔" محمود نے کہا۔

"اب ہم کیا کریں۔ کیا ابا جان کو فون کرنا چاہیے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ پہلے ہی ہدایت کر چکے ہیں کہ ہمارے آس پاس موجود رہیں گے۔"

محمود بولا۔

"لیکن وہ اتنی جلدی تو نہیں آگئے ہوں گے۔" فاروق نے کہا۔

"پھر بھی اس تلاش سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ ہم تو اصل معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔" محمود نے سر ہلایا۔

"تو بھائی تم تہ تک پہنچتے رہو۔ میں تو چلا سونے۔" فاروق نے کہا اور سر سے پیر تک چادر تان لی۔ جلد ہی اس کے خراٹے شروع ہو گئے۔ اس سے پہلے وہ اٹھ کر بلب بجھا چکا تھا اور زیرو کا بلب روشن کر چکا تھا۔

"لو۔ حضرت خراٹے بھی لینے لگے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"حالانکہ خراٹے لینا اس کی عادت نہیں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"کبھی کبھی لے لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" فاروق نے چادر کے اندر ہی سے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

آخر وہ بھی سونے کے لیے لیٹ گئے۔ جلد ہی فرزانہ کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں لیکن نیند محمود کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ کچھ دیر تک وہ پلکیں جھپکتا رہا آخر آہستہ آہستہ اٹھا اور پھر چارپائی سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک نظر فاروق اور فرزانہ پر ڈالی اور پھر دبے پاؤں کمرے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ دروازے پر پہنچ کر ایک بار پھر محمود نے مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک بے حس و حرکت پڑے تھے۔

محمود نے قدم کمرے سے باہر نکالا ہی تھا کہ باہر برآمدے میں کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے

رہ گیا۔ آواز لمحہ بہ لمحہ ان کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ جلدی سے واپس کمرے میں آگیا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ دروازہ اس نے تھوڑا سا کھولے رکھا۔ اور جھری میں سے برآمدے میں دیکھنے لگا۔ غسل خانے کے سامنے ہی کمرے کا دروازہ تھا اس لیے وہ برآمدے کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا اور پھر چلنے والا اس کے سامنے آگیا۔ یہ وہی سیاہ پوش تھا جس کا انہوں نے جنگل میں تعاقب کیا تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت بھی وہی لباس تھا اور چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔ ان کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ رک گیا اور اندر دیکھنے لگا۔ پھر ایک ایک قدم اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے محمود نے اسے بُری طرح چونکتے دیکھا۔ وہ فاروق اور فرزانہ کو بُری طرح گھور رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں تیسرے بستر پر جا پڑیں۔ یہ خالی تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے غسل خانے کی طرف نظریں اٹھائیں اور محمود نے اپنا سر پیچھے کر لیا۔

وہ دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا ی وقت اس نے قدموں کی چاپ غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھتے سنی۔ اہ پوش غسل خانہ دیکھنے کے لیے اس طرف آ رہا تھا۔ شاید وہ جاننا چاہتا تھا کہ ان کا تیسرا ساتھی کہاں ہے۔

محمود کو اس کی انگلیاں یاد آئیں جن سے دھواں نکلتا تھا اور جو آدمی کو راً بے ہوش کر دیتا تھا۔ پھر اس نے اپنے آپ کا جائزہ لیا۔ اس وقت ں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے وہ اپنے بچاؤ کے لیے سیاہ پوش استعمال کر سکتا۔

سیاہ پوش ہر لمحے دروازے کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔

فاروق نے اپنے سر سے چادر کھسکا دی اور دروازے کی طرف دیکھا
سیاہ پوش اندر داخل ہو رہا تھا۔ دراصل وہ سویا نہیں تھا۔ جان بوجھ کر
سوتا بن گیا تھا۔ جب محمود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تھا تو اس وقت بھی
وہ چادر کے اندر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے واپس پلٹتے دیکھا تھا،
اسی وقت اس نے قدموں کی چاپ سنی تھی۔ اور منہ دوبارہ چادر میں چھپا لیا تھا
لیکن اس طرح کہ اس میں سے سب کچھ دیکھ سکے۔

اور پھر جونہی سیاہ پوش کمرے میں داخل ہو کر غسل خانے کی طرف بڑھا،
وہ بوکھلا اُٹھا۔ محمود خطرے میں تھا۔ اس کے لیے کچھ کرنا ضروری تھا۔ بستر میں لیٹے
ہی لیٹے اس نے اپنا ہاتھ تکیے کے نیچے ڈالا۔ اور تکیے کے نیچے رکھی ہوئی چیز
اپنی مٹھی میں دبا لی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا، سیاہ پوش غسل خانے کے دروازے
پر پہنچ چکا تھا اور اسے دھکیلنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ اب ایک لمحے کی دیر
بھی خطرناک تھی۔ وہ آواز پیدا کیے بغیر بستر سے اٹھ کر فرش پر آ گیا اور
غسل خانے کی طرف قدم اٹھائے، اسی وقت سیاہ پوش کا ہاتھ دروازے سے ٹکرایا
اور وہ کھلتا چلا گیا۔ لیکن محمود تو دروازے کے پیچھے دیوار سے چپکا کھڑا تھا
اسے کیسے نظر آ جاتا۔

"تم دروازے کے پیچھے چھپے ہوئے ہو۔ باہر نکل آؤ۔" اچانک سیاہ پوش غرایا۔

برابر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب محمود نے بزدلی دکھانا مناسب نہ سمجھا
دروازے کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

"تم تینوں تو وہی ہو۔ جو مجھے جنگل میں ملے تھے۔" سیاہ پوش کے منہ
سے نکلا۔

"کون سے جنگل کی بات کر رہے ہو۔ مجھے تو کچھ یاد نہیں۔" محمود لاپروائی
سے بولا۔ اب تک اس نے فاروق کو نہیں دیکھا تھا۔

"لیکن میری یادداشت اتنی کمزور نہیں۔ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا
کر رہے ہو۔"

"ہم لوگ انسان ہیں اور یہاں آرام کر رہے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"بکو مت۔ تم تینوں تو خطرناک لگتے ہو، تمہیں موت کے گھاٹ اتارنا
ہی ہوگا۔"

"تم ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے والے کون ہو۔ موت تو تمہارے
سر پہ کھڑی ہے۔ ذرا پیچھے مڑ کر تو دیکھو۔"

محمود کے الفاظ سن کر نہ صرف سیاہ پوش بلکہ فاروق بھی گھبرا گیا،
کیونکہ ابھی وہ سیاہ پوش سے کچھ دور تھا اور اس کے ہاتھ میں جو چیز تھی،
وہ سیاہ پوش کے قریب پہنچنے پہ ہی استعمال ہو سکتی تھی۔ اب اگر وہ
مڑ کر دیکھ لیتا تو فاروق کا سارا ارادہ دھرا کا دھرا رہ جاتا۔

دوسری طرف نقاب پوش محمود کے الفاظ سن کر واقعی بوکھلا

گیا تھا۔ محمود کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا، اس لیے اسے اس
کوئی خطرہ نہیں تھا ـــــــ اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا اور فاروق کو
اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر گھبرا گیا، لیکن جب اس نے اسے بھی خالی ہاتھ دیکھا
تو مسکرا اٹھا اور بولا۔

"تو یہ ہے میری موت ـ جو میرے سر پہ کھڑی ہے۔"

"نہیں بھائی ـ یہ تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔" فاروق نے جلدی سے کہا
اور دو قدم اور سیاہ پوش کی طرف اٹھائے۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"تمہارے اس سوال کا جواب یہ ہے۔"

یہ کہہ کر فاروق نے اپنا دایاں ہاتھ اچانک سیاہ پوش کے چہرے کے قریب
کر دیا۔ اس کی ہتھیلی پہ ایک ننھا سا سیاہ رنگ کا ہاتھی رکھا تھا۔ پھر فوراً ہی
فاروق نے ہاتھی سیاہ پوش کے پیروں کے پاس فرش پہ زور سے دے مارا۔
ایک زوردار دھماکا ہوا اور سیاہ پوش کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

کمرہ خالی تھا

یہ ہاتھی پروفیسر داؤد نے فاروق کو دیا تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ جب تم اس ہاتھی کو کسی دشمن کے پیروں کے پاس پٹخو گے تو وہ کئی فٹ اونچا اچھلے گا اور جب واپس زمین پر آئے گا تو بے ہوش ہو چکا ہو گا۔

دھماکے کی آواز نے فرزانہ کو بھی بستر سے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس نے بھی سیاہ پوش کو اچھلتے دیکھا تھا۔ محمود اور فاروق تو پہلے ہی دیکھ چکے تھے لیکن دوسرا لمحہ ان کی زندگی کا حیران کن لمحہ تھا۔ سیاہ پوش واپس زمین پر اپنے پیروں پر آیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ شاید وہ نقاب کے اندر مسکرا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تینوں کی سٹی گم ہو گئی کہ وہ بے ہوش ہونے کی بجائے اچھا بھلا کھڑا تھا۔

"بہت خوب۔ یہ کھلونا تو اچھا ہے۔" سیاہ پوش نے ایک طرف پڑے ہاتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا، ہاتھی کے فرش پر ٹکرانے سے اگرچہ دھماکا ہوا تھا لیکن وہ اب بھی صحیح سلامت تھا۔

"جی بس۔ . . . یونہی آپ کا دل خوش کرنے کے لیے پھینک دیا تھا۔"

فاروق نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملا ۔ ؟" اس نے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب نے تحفے کے طور پر دیا تھا ۔" فاروق نے سچ بتا دیا۔

"تم پروفیسر کے کیا لگتے ہو ؟"

"ہم ان کی بیٹی کے دوست ہیں ۔" محمود نے جلدی سے کہا۔ اسے ڈر محسوس ہوا تھا کہ کہیں فاروق یہ نہ کہہ دے کہ وہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں اور انسپکٹر جمشید پروفیسر داؤد کے گہرے دوستوں میں سے ہیں ۔

"ہوں ۔ تو یہ بات ہے ۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں کون ہوں ؟" اس نے ایک عجیب سا سوال کیا۔

"ہم نجومی تو نہیں، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ بتا ضرور سکتے ہیں ۔" فاروق نے سنجیدگی سے کہا اور محمود اور فرزانہ مسکرانے لگے۔

"چلو خیر ۔ بتاؤ ۔"

"تم آدمی ہو ۔" فاروق بول اٹھا، محمود اور فرزانہ کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی ۔

"بکومت ۔ میں سمجھ گیا ۔ تم کچھ نہیں جانتے، اسی لیے میں تمہیں زندہ چھوڑے جا رہا ہوں، لیکن اگر تم نے میرے بارے میں کسی کو ایک لفظ بھی بتایا تو پھر میں تم تینوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا ۔"

"جی ...... جی بہت بہت شکریہ !" فاروق نے خوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"لو ۔ اب ذرا میرے کھلونے کا مزہ چکھو ۔"

اس نے یہ کہہ کر اپنی انگلیاں ان کی طرف بڑھا دیں ۔ انگلیوں میں سے دھوئیں کی پتلی پتلی لکیریں نکلیں جو سیدھی ان کی ناکوں کی طرف آئیں ۔ وہ چکرائے اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے ۔

وہ ہوش میں آئے تو پروفیسر داؤد اور شائستہ ان پر جھکے ہوئے تھے ۔

"کیا ہوا تھا تم تینوں کو ۔ ہمیں ایک دھماکے کی آواز سنائی دی تھی ۔" پروفیسر صاحب نے پوچھا۔

"کام شروع ہو گیا ۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔ تینوں فرش سے اٹھ کر چارپائیوں پر بیٹھ چکے تھے۔

"کیا مطلب ؟" پروفیسر داؤد چونکے ۔

"آپ تو کہتے تھے کہ آج تک صرف چلنے پھرنے کی آوازیں سنی ہیں، لیکن کسی کو دیکھا نہیں ۔" محمود نے فاروق کی بات پر کوئی دھیان دیئے بغیر کہا۔

"ہاں ۔ بالکل ٹھیک ہے ۔ کیا تم نے کسی کو یہاں دیکھا ہے ۔"

"نہ صرف دیکھا ہے بلکہ اس سے مقابلہ بھی کیا ہے ۔" فرزانہ مسکرائی ۔

"تم چپ رہو ۔ مقابلہ میں نے اور محمود نے کیا ہے، تم تو بڑی گہری نیند کے مزے لوٹ رہی تھیں بلکہ یوں کہو کہ خواب خرگوش میں مصروف تھیں ۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"غلط کہتے ہو ۔ میں جاگ رہی تھی اور اس موقعے کے انتظار میں تھی جب تم دونوں کو میری ضرورت ہوتی ۔" فرزانہ یہ کہتے وقت مسکرائی ۔

"بس بس رہنے دو۔"

"بھئی تم بعد میں اُلجھ لینا۔ پہلے مجھے تو بتا دو۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"محمود! تم کیا کہہ رہے تھے تم نے کسی سے مقابلہ بھی کیا ہے۔"

"جی ہاں! وہ ہمارے کمرے میں آ گھسا تھا اور انکل آپ کو یہ سن کر شاید حیرت اور افسوس ہو کہ آپ کا کھلونا نما ہتھیار پہلی مرتبہ بے کار ثابت ہوا ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا تم نے اس پر کوئی کھلونا آزمایا تھا؟" پروفیسر چونکے۔

"جی ہاں۔ فاروق نے ہاتھی اس کے پیروں میں دے مارا تھا وہ دیکھیے وہ پڑا ہے۔" محمود نے ایک طرف پڑے ہاتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بے کار گیا۔ میں سمجھا نہیں۔" پروفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں؛ اس کے زمین پر گرتے ہی دھماکا ہوا تھا۔ دشمن اچھلا بھی تھا، لیکن جب وہ فرش پر آیا تو اچھا بھلا کھڑا مسکرا رہا تھا۔" فاروق نے بتایا۔

"اوہ!" پروفیسر صاحب کے منہ سے نکلا۔ ان کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"آخر یہ کیسے ہوا؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"وہ ضرور کوئی سائنس دان تھا، یا کسی سائنس دان کا ساتھی تھا اور ہر طرح کی احتیاطی تدابیر کر کے گھر سے نکلا تھا۔" پروفیسر صاحب بولے پھر چونک کر کہا۔

"لیکن تم تینوں بے ہوش کیسے ہوئے تھے۔"

"اس نے اپنی انگلیاں ہماری طرف اٹھائیں اور ان انگلیوں میں سے دھوئیں کی لکیریں نکلی تھیں، دھواں ہماری ناکوں میں گھسا تھا اور ہم پٹ سے گر کر بے ہوش ہو گئے تھے۔"

"اوہ! اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضرور کوئی سائنس دان ہے، لیکن وہ مجھے کیوں نظر نہیں آیا۔" پروفیسر صاحب بولے۔

"شاید آپ کے سامنے وہ سلیمانی ٹوپی پہن کر آتا ہوگا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"حالات بہت خطرناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ آج ہی گھر میں لاش ملی تھی اور اب تم ایک اور شخص کی کہانی سنا رہے ہو۔ اس کا حلیہ کیا تھا۔"

"وہ حلیے کے بغیر تھا۔" بے اختیار فاروق کے منہ سے نکلا۔ محمود اور فرزانہ ہنس پڑے۔

"کیا مطلب؟" پروفیسر صاحب چونکے۔

"وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا، چہرا بھی چھپا ہوا تھا۔"

"تب تو معاملہ بہت خطرناک ہے۔ ان لوگوں نے میری کوٹھی کو اکھاڑہ بنا رکھا ہے اور مجھے خبر تک نہیں... لیکن...." پروفیسر صاحب کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔

"لیکن کیا۔؟" محمود نے پوچھا۔

"آخر یہ لوگ کوٹھی کے اندر کیسے آجاتے ہیں ۔ دروازے پر تو پولیس موجود رہتی ہے ۔"

"یہ بات تو خیر ہم جانتے ہیں ۔ یہ لوگ کوٹھی کے پچھلے حصے سے رسّی کی سیڑھی لٹکا کر اندر آ گئے ہیں ۔" محمود نے بتایا۔

"کیا کہا ۔ لیکن نہیں ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں انکل ۔ ہو کیوں نہیں سکتا ۔" فرزانہ نے کہا۔

"رسّی کی سیڑھی اوپر سے لٹکائی پڑتی ہے ۔ آخر پہلے کوئی اوپر سے لٹکاتا ہوگا، تب ہی وہ اس کے ذریعے اوپر آتے ہوں گے ۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں اور یہی بات ثابت کرتی ہے آپ کے گھر میں کوئی غدار موجود ہے ۔"

"ہوں ۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو ۔"

"آپ سب ایک منٹ یہیں ٹھہریں ۔ میں ابھی آتا ہوں ۔" محمود نے کہا اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ وہ سوچتے ہی رہ گئے کہ اچانک محمود کو کیا ہوا۔

"ارے ! اسے کیا ہوا ؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"خدا جانے ۔ کیا خیال آیا ۔ اس کے واپس آنے پر ہی پتا چلے گا ۔"

فاروق بولا۔

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں تمہارے باپ کو بلا لوں ۔ کیوں کہ حالات نازک ہیں ۔ ہم خطرے میں ہیں ۔" پروفیسر صاحب نے کہا۔

"ابھی ٹھہریں انکل ۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے آپ اس کی انگلیوں سے نکلنے والے دھوئیں کا کوئی بندوبست نہیں کر سکتے ۔"

"وہ تو ہو جائے گا ۔ آئندہ وہ تمہیں بے ہوش نہیں کر سکے گا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"وہ کیسے ۔ ؟"

"میں تمہیں ایک چیز دوں گا ۔ اس چیز کی بدولت دھواں بے اثر ہو جائے گا اور اس طرح تم ہاتھی کے بے کار جانے کا بدلہ بھی لے سکو گے ۔" پروفیسر مسکرائے۔

"لیکن انکل ۔ آخر وہ ہاتھی سے کیسے محفوظ رہ گیا ۔"

"جیسے تم آئندہ اس کے دھوئیں سے محفوظ رہو گے ۔ سائنس دان ایک دوسرے کے حربوں کا توڑ کر لیتے ہیں ۔ یہ سب گیسوں کا چکر ہے ۔ اس ہاتھی کے پھٹنے سے ایک دھماکا ہوتا ہے اور اس دھماکے کا اثر صرف اسی آدمی تک رہتا ہے جس کے پیروں میں اسے پھینکا جائے ۔ اعضا کچھ دیر کے لیے بیکار ہو جاتے ہیں اور ذہن سو جاتا ہے لیکن اگر ایک خاص قسم کا گیس ماسک پہن لیا جائے تو پھر دھماکا ہونے پر دشمن اچھلے گا تو ضرور لیکن بے ہوش نہیں

ہو گا۔ اس سیاہ پوش نے شاید نقاب کے نیچے گیس ماسک پہن رکھا تھا!"

"اوہ! ضرور یہی بات ہو گی۔"

"یہ محمود کہاں رہ گیا۔" فرزانہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

"آ جائے گا، تمہیں کیوں اس کا فکر کھائے جا رہا ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"نہیں تو۔ مجھے تو کوئی چیز نہیں کھا رہی۔ میں تو صحیح سلامت ہوں۔" فرزانہ مسکرائی اور شائستہ کی ہنسی نکل گئی۔ پروفیسر داؤد البتہ کسی خیال میں اس حد تک گم تھے کہ فرزانہ کے جملے کی طرف دھیان نہیں دے سکے تھے۔

اسی وقت محمود اندر داخل ہوا۔ اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

"تم کہاں گئے تھے؟" فاروق نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"میں چھت پر گیا تھا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ رسّی کی سیڑھی لٹک رہی ہے یا نہیں۔ سیڑھی اب وہاں نہیں ہے۔ ہم اب تک نہ پروفیسر انکل کے ملازموں سے ملے، نہ ان کے اسسٹنٹوں سے۔ ضرور ان میں سے کوئی ایک غدار ہے۔" محمود نے کہا۔

"انکل۔ کیا آپ اپنے اسسٹنٹوں کو اسی وقت یہاں بلا سکتے ہیں۔ یا ہمیں ان کے پاس لے جا سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ مگر وہ اس وقت اپنے اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔" پروفیسر صاحب بولے۔

"تو ہم ان کے پاس چلتے ہیں۔"

"آؤ۔" پروفیسر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ کمرے سے باہر نکل کر کوٹھی کے پچھلے حصے میں آئے۔ چند منٹ بعد وہ [illegible] کمرے کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ وہ کئی سیکنڈ تک دروازہ [illegible] کھٹکھٹاتے رہے لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس پر محمود نے دروازہ دھکیلا [illegible] وہ کھلتا چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اندر ایک چارپائی بچھی تھی۔ [illegible] اس پر کوئی سو نہیں رہا تھا۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔

سیاہ بھیڑیا

”ارے! یہ عامر کہاں گیا۔“ پروفیسر کے منہ سے نکلا۔

”تو ہمارا خیال ٹھیک تھا۔ عامر آپ سے غداری کر رہا ہے، وہ دشمنوں سے مل گیا ہے۔“

”میرا دل نہیں مانتا۔ شاید وہ اوپر لیبارٹری میں کام کر رہا ہو۔“

”وہاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن پہلے دوسرے اسسٹنٹ کو دیکھ لیں۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے اس کا۔“

”رمضان۔ وہ . . . . سامنے اس کا کمرہ ہے۔“

رمضان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی گئی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ ایک خوبصورت نوجوان نے سر باہر نکال کر انہیں دیکھا اور پھر پروفیسر کو دیکھ کر چونک اٹھا۔

”خیر تو ہے۔؟“

”بھئی یہ عامر کہاں چلا گیا۔“ پروفیسر صاحب نے اس کے سوال کو ٹال کر پوچھا۔

”کہاں چلا گیا۔ کیوں کیا اپنے کمرے میں نہیں ہے؟“

”نہیں۔“

”لیکن وہ تو سونے کے لیے میرے سامنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔“

”اوہ۔“ وہ دھک سے رہ گئے۔

پھر سب کے سب لیبارٹری میں آئے۔ یہاں ہر طرف آلات کا ایک جنگل سا پھیلا ہوا تھا، لیکن عامر یہاں بھی نہیں تھا۔

”آخر عامر کہاں چلا گیا۔ رمضان! تم فوراً صدر دروازے پر جا کر پولیس والوں سے معلوم کرو کہ کیا عامر کو باہر جاتے دیکھا گیا ہے۔“ پروفیسر صاحب نے کہا۔

”جی اچھا۔“ رمضان بولا اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

جلد ہی وہ واپس آیا اور بتایا کہ پولیس والوں نے کسی کو بھی گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔

”اُف خدا۔ یہ کیا چکر ہے۔ یہ میرے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔“ پروفیسر صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

”گھبرائیے نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ آرام کریں، ہم تینوں ابھی عامر صاحب کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔“ محمود نے کہا، فاروق اور فرزانہ اسے گھورنے لگے۔

”تم . . . تم اسے کہاں ڈھونڈتے پھرو گے۔“

”ہم ابھی آدھ گھنٹے میں واپس آ کر آپ کو بتاتے ہیں۔ فاروق، فرزانہ میرے ساتھ آؤ۔“

محمود نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ فاروق اور فرزانہ اس کے پیچھے چل پڑے۔ کسی نے کوئی سوال نہ کیا۔

وہ جب گھر میں آئے تھے تو پروفیسر صاحب نے پولیس والوں سے ان کا تعارف کرا دیا تھا۔ اس لیے ان کے باہر نکلنے پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ محمود نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا۔

"ذرا چوکس رہیے۔ اندر کچھ عجیب و غریب حالات پیش آئے ہیں۔"

"کیسے حالات؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"پھر کسی وقت بتائیں گے، ابھی تو ہمیں جلدی ہے۔"

محمود نے کہا اور تینوں تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔ ان کا رُخ کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف تھا۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا اس لیے محمود نے ٹارچ لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"آخر جانا کہاں ہے۔" فاروق اُلجھ کر بولا۔

"جنگل میں۔"

"جنگل میں جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"عامر کو ڈھونڈیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا تمہیں تمہارے فرشتوں نے بتایا ہے کہ عامر جنگل میں ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"ہاں! انہوں نے مجھے ٹیلیفون کیا تھا۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا، اور فرزانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اچھا۔ ایک ٹیلیفون ان سے مجھے بھی کرا دینا۔" فاروق نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیا بات ہے۔ آج مرچیں کیوں چبا رہے ہو۔"

"اور کیا تمہیں چباؤں۔" فاروق تیزی سے بولا۔

"غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔ حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، عامر غدار ہے۔ وہ ضرور جنگل کے کسی حصے میں موجود ملے گا اور دشمنوں کے ساتھ مل کر کوئی پروگرام بنا رہا ہوگا۔"

"خیر۔ دیکھ لیں گے۔" فاروق بولا۔

وہ برابر جنگل میں آگے بڑھ رہے تھے۔

"کہیں کسی سانپ سے ملاقات نہ ہو جائے۔" فرزانہ نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"ہشت۔ اس جنگل میں سانپ نہیں ہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"پروفیسر انکل نے ایک گیس کے ذریعے ان کا صفایا کر دیا تھا۔ ایک بار انہوں نے یہ بات مجھے بتائی تھی۔" محمود بولا۔

"اس وقت ہم دونوں کہاں تھے؟" فاروق نے سوال کیا۔

"مجھے کیا پتا۔ تم کہاں تھے۔"

"بہت اکڑ رہے ہو۔ کیا بات ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"نہیں تو۔ میں تو بالکل ہی نہیں اکڑ رہا۔ تمہیں وہم ہوا ہے۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

Scanned by CamScanner

"اور وہم کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا۔" فرزانہ ہنسی۔

"اس بات کی اس وقت کیا ضرورت تھی۔" فاروق تلملا اُٹھا۔

"معلوم ہوتا ہے، آج لڑنے مرنے کے موڈ میں ہو۔ اگر یہی بات ہے تو مجھے بتا دو۔ ویسے اس جنگل میں لڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔ جنگل کے چرند پرند کیا سوچیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اس وقت سب چرند پرند سو رہے ہوں گے۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"لیکن اُلو تو جاگ رہے ہیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔ اُلو تو واقعی جاگ رہے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا اور فرزانہ کی ہنسی نکل گئی۔

"کیا تم مجھے، فرزانہ کو اور خود کو اُلو کہہ رہے ہو۔" محمود نے اسے گھور کر دیکھا۔

"نہیں تو اُلوؤں کو اُلو کہہ رہا ہوں۔" فاروق نے جواب دیا۔ فرزانہ برابر ہنسے جا رہی تھی۔

"لگ گئی اُلوؤں کی۔ اب کہاں چپ رہو گے۔"

"چلو چپ ہو جاتا ہوں، تم ہی بولتے رہو۔"

"معلوم ہوتا ہے.... آج تم دونوں ....."

فرزانہ کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ جنگل کے بیچوں بیچ ایک درخت کے نیچے کوئی آدمی اوندھے منہ پڑا تھا۔

وہ چونک کر رک گئے۔

"ہوشیار! یہ کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"لیکن وہ بالکل بے حس و حرکت پڑا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہمیں کچھ دیر رک کر دیکھتے رہنا چاہیے۔" محمود بولا۔

"آخر یہ کون ہے؟" فاروق نے سوال کیا۔

"پروفیسر انکل کے اسسٹنٹ عامر کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" محمود نے جواب دیا۔

"پھر یہ چال کیسے ہو سکتی ہے؟"

"بے وقوف! کیا تم بھول گئے کہ عامر غدار ثابت ہو چکا ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ابھی تک ثابت تو نہیں ہوا، ہاں اس کے بارے میں ہم یہ خیال ضرور قائم کر چکے ہیں۔"

"اتنا ہی کافی ہے۔"

"اس نے اب تک ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ چلو اس کے پاس چل کر دیکھیں، کیا ماجرا ہے۔"

آخر تینوں احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے۔ محمود نے جھک کر اسے ہلایا۔ جب اس نے کوئی حرکت نہ کی تو تینوں نے مل کر

Scanned by CamScanner

اسے سیدھا کیا — یہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ اس کا رنگ سانولا تھا اور ناک ذرا لمبی تھی۔ مضبوط ہاتھ پیر کا مالک معلوم ہو رہا تھا۔

انہوں نے چونکہ پہلے کبھی پروفیسر صاحب کے اسسٹنٹوں کو نہیں دیکھا تھا، اس لیے ابھی وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ عامر ہی ہے۔

"یار، تم ہوش میں آتے ہو یا ہمیں یہاں ڈاکٹر کو لانا پڑے گا۔" محمود نے تنگ آکر کہا۔ اور فاروق نے اسے ایک بار اور زور سے جھنجھوڑا۔

"کہیں یہ مر تو نہیں گیا —" فرزانہ نے بوکھلا کر پوچھا۔

"نہیں — دیکھ نہیں رہی، پیٹ پھول اور پچک رہا ہے — یہ سانس لے رہا ہے اور صرف بے ہوش ہے۔"

"تب پھر اس کے منہ پہ چھینٹے مارنے کے لیے پانی لانا چاہیے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ فاروق تم جا کر ایک جگ میں پانی لے آؤ۔"

"میں اکیلا تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔ رات کا وقت ہے۔"

"تو فرزانہ کو ساتھ لے جاؤ، ڈرپوک کہیں کے۔" محمود جھلّا اٹھا۔

"تو تم خود ہی کیوں نہیں چلے جاتے، میں اور فرزانہ یہیں ٹھہرتے ہیں" فاروق نے کہا۔

"تم وقت بہت ضائع کرتے ہو۔ خیر میں ہی چلا جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر محمود اُٹھا اور کوٹھی کی طرف مڑ گیا۔ اسی وقت بے ہوش آدمی نے کروٹ بدلی اور اس کے منہ سے ایک آہ بھی نکلی۔ فاروق چلّایا

"یہ جنگل میں بے ہوش پڑے تھے اور انھیں نہیں معلوم کہ یہ کوٹھی سے جنگل میں کیسے پہنچ گئے۔"

"کیا کہا — بے ہوش پڑے تھے . . . . یا خدا — یہ کیا ماجرا ہے — ہم یہ کن اُلجھنوں میں پھنس گئے۔" پروفیسر نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر وہ ان تینوں کی طرف مڑے۔

"تم فوراً جمشید کو بُلا لو — کیونکہ اب . . . ."

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے — آنکھیں خوف اور حیرت کے مارے باہر کو اُبل پڑیں۔ پھر ان کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ انھوں نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔ وہ ڈرے ڈرے اور ہکلانے کے انداز میں عامر کے سینے کی طرف انگلی اٹھا کر کہہ رہے تھے۔

"یہ . . . . یہ . . . . یہ . . . کارڈ —"

"کارڈ !!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے نکلا، ساتھ ہی انہوں نے چونک کر عامر کے سینے کی طرف دیکھا۔ دراصل ابھی تک وہ عامر کا اچھی طرح جائزہ ہی نہیں لے سکے تھے۔ اب جو انہوں نے خاص طور پر اس کے سینے کی طرف دیکھا تو وہاں انہیں سفید رنگ کے گتے کا ایک ننھا سا کارڈ نظر آیا۔ اس کارڈ پر سیاہ رنگ کے ایک بھیڑیے کی تصویر تھی — سیاہ بھیڑیے کی تصویر!

انسپکٹر جمشید کی آمد

چند لمحوں تک سکتے کا عالم طاری رہا۔ پھر پروفیسر چیخے۔
"ہم لُٹ گئے۔ تباہ ہو گئے۔ فارمولا چوری ہو گیا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ زینے کی طرف بھاگے۔ دوسرے انہیں اس عالم میں دیکھ کر بُری طرح بوکھلا گئے تھے۔ سوچے سمجھے بغیر وہ بھی ان کے پیچھے بھاگے۔ پروفیسر صاحب بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے لیبارٹری میں داخل ہو گئے۔ پروفیسر سیدھے دیوار میں جڑی ہوئی ایک بھاری تجوری کی طرف گئے۔ اس کے دائیں طرف دس بٹن لگے ہوئے تھے۔ ان بٹنوں پر صفر سے لے کر نو تک کے ہندسے لکھے ہوئے تھے۔
پروفیسر صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان بٹنوں میں سے کچھ بٹنوں کو ایک دوسرے کے بعد دبایا۔ اس کے بعد انہوں نے ہینڈل پکڑ کر کھینچا۔ تجوری کا دروازہ کھٹاک کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ تجوری کے اندر نظر پڑتے ہی پروفیسر داؤد پُر سکون ہو گئے۔ ان کے چہرے پر اطمینان لوٹ آیا۔ ان کے منہ سے نکلا۔

"اوہ ... خدا کا شکر ہے۔ بم اور فارمولا دونوں ہی محفوظ ہیں۔
لیکن ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"
"لیکن ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔
"نہیں ... نہیں۔ یہ ضرور کوئی چکر ہے۔ محمود! فوراً انسپکٹر ...یڈ کو فون کرو۔ پوری قوم خطرے میں ہے۔" یہ کہتے ہی انہوں نے ...وری بند کر دی اور چند بٹن دبائے۔ اب تجوری کا تالا لگ چکا تھا۔
محمود تپائی پر رکھے ہوئے فون پر جھک گیا اور بیگم شیرازی کے نمبر ڈائل ...رنے لگا۔ جلد ہی بیگم شیرازی کی آواز آئی۔
"ہیلو ... کون صاحب بول رہے ہیں۔"
"میں محمود ہوں آنٹی۔"
"محمود ... ارے تم کہاں سے بول رہے ہو۔" دوسری طرف سے ...یگم شیرازی نے کہا۔
"آپ ذرا ابا جان کو بُلا دیں۔ بہت جلدی کا کام ہے۔ آپ کو ہمارے ...رے میں انہیں سے معلوم ہو جائے گا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔ دوسرے ...سے تک رہے تھے۔
"اچھی بات ہے۔" بیگم شیرازی کی آواز آئی اور محمود اپنے والد کا ...نظار کرنے لگا۔ جلد ہی بیگم شیرازی کی آواز آئی۔
"محمود ... کیا تم ادھر موجود ہو۔"
"ہاں آنٹی۔"

"تمہارے ابا جان گھر نہیں ہیں — وہ معلوم نہیں کہاں گئے ہوئے ہیں۔ تمہاری امی کو بھی کچھ معلوم نہیں۔"

"اوہ — تو کیا آپ نے امی جان سے کہہ دیا ہے کہ میرا فون آیا ہے۔"

"ہاں! بتا دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ جس وقت بھی وہ آئیں گے، انہیں بھیج دیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

محمود نے ریسیور رکھ دیا اور مڑا — پھر ساکت رہ گیا۔

"کیا ہوا — کیا تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ برابر دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ آخر فاروق اور فرزانہ نے بھی چونک کر ادھر دیکھا۔ پھر وہ سب حیران رہ گئے۔

دروازے میں انسپکٹر جمشید کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"ابا جان! آپ کب آئے۔" محمود خوشی سے چلایا۔

"کیوں — کیا یہاں میری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! جمشید بہت ضرورت ہے تمہاری — تم بہت اچھے وقت پر آئے، میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔" پروفیسر داؤد نے بے تابی کے عالم میں کہا۔

پھر وہ سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پروفیسر داؤد نے انہیں شروع سے سارے حالات بتا دیے۔ یہ بھی بتایا کہ وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو کیوں لائے تھے۔ ان کے آنے کے بعد جو کچھ ہوا تھا، وہ بھی کہہ سنایا۔

"آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ بم اور فارمولا دونوں محفوظ ہیں، مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے .... آپ نے کس لیے یہ کہا تھا۔" محمود نے پوچھا۔

"میں اب اسی طرف آتا ہوں — جمشید تم یہ سیاہ بھیڑیے والا کارڈ دیکھ رہے ہو — کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"نہیں — یہ کیا معاملہ ہے؟" انہوں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"سیاہ بھیڑیے سے پوری دنیا کے سائنس دان واقف ہیں اور اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح بکری شیر سے ڈرتی ہے — وہ ایک بہت بڑے ملک کا جاسوس ہے۔ وہ ملک اسے کسی بھی ملک کے سائنس دان کی ایجاد اڑا لانے کا حکم دے دیتا ہے اور پھر وہ ایجاد سیاہ بھیڑیے کے ہاتھ آ کر رہتی ہے، اسے کوئی لاکھ تالوں میں بھی رکھ لے، وہ اسے لے اڑتا ہے — پولیس کے سینکڑوں سپاہی بھی سائنس دان کی تجربہ گاہ کو گھیر لیں، پھر بھی ناکام نہیں رہتا — آج تک اسے کوئی نہیں پکڑ سکا۔ اس کے پاس سائنس کے عجیب و غریب آلات اور ہتھیار ہوتے ہیں

جن کی مدد سے وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پاتا۔ میں حیران ہوں .... میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں میرے ملک میں .... میری تجربہ گاہ تک بھی پہنچ جائے گا۔ جب میں نے عامر کے سینے سے اس کا کارڈ چپاں دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے۔ میں سمجھ گیا کہ شیشے کے بکس والا فارمولا میرے ہاتھ سے نکل گیا، کیونکہ وہ اپنا کارڈ اس وقت ہی کسی جگہ چھوڑ کر جاتا ہے جب وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ کارڈ دیکھتے ہی میں تجربہ گاہ میں آیا اور تجوری کھولی، تو یہ دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی کہ دونوں چیزیں بالکل محفوظ تھیں۔ حالانکہ یہ ناممکن تھا۔ سیاہ بھیڑیے کا کارڈ ملنے کا مطلب صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ تمہاری ایجاد چرا لی گئی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ تجوری میں دونوں چیزیں دیکھ کر میں نے کہا تھا ... مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ تو واقعی بہت عجیب بات ہے۔ وہ اگر فارمولا اڑانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا تو پھر اس نے عامر صاحب کے سینے کے ساتھ اپنا کارڈ کیوں لگایا۔"

"یہی اس کیس کا سب سے عجیب سوال ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اور اگر اس سوال کا جواب مجھے مل جائے تو میں مجرم کو گرفتار کر سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے۔ بھلا اس سوال کا مجرم کی گرفتاری سے کیا تعلق۔" پروفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

تعلق ہو یا نہ ہو۔ بہرحال اب میں یہیں موجود ہوں۔ اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ سیاہ بھیڑیا اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"شکریہ جمشید۔ تم اگر نہ آ گئے ہوتے تو شاید اس وقت تک میرا ہارٹ فیل ہو جاتا۔ یاد رکھو .... اگر یہ فارمولا سیاہ بھیڑیے کے ہاتھ لگ گیا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ وہ ملک ہمارے دشمن ملک کا دوست ہے۔ وہ ضرور اس فارمولے کے مطابق بم بنا کر ہمارے دشمن ملک کے ہاتھوں فروخت کرنا شروع کر دے گا اور یہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا کہ دشمن ملک اس فارمولے کو حاصل کرنے کی خود بھی کوشش کر چکا ہے۔ لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کی کوششوں سے اور تمہاری ذہانت کی وجہ سے اسے زبردست شکست ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے، اس ناکامی کے بعد ہی دشمن ملک نے اس بڑے ملک کو یہ کام سونپا ہے اور اس نے سیاہ بھیڑیے کو فارمولا چرانے کا حکم دیا ہے۔" پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔

"بالکل یہی بات ہے۔" محمود بولا۔

"پھر وہی سوال سامنے آتا ہے۔ فارمولا چرانے سے پہلے ہی سیاہ بھیڑیے نے اپنا کارڈ عامر صاحب کے سینے پر کیوں چھوڑا۔" انسپکٹر جمشید نے الجھ کر کہا۔

"خدا جانے .... اس نے ایسا کیوں کیا۔" فرزانہ نے بے چارگی سے کہا۔

"میں تم تینوں سے اس سوال کا جواب چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے

اچانک ان تینوں سے کہا۔

"جی ۔ کیا کہا ۔ ہم تینوں سے ۔ لیکن اس سوال کا جواب تو بس بھیڑیا ہی دے سکتا ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا ۔ تینوں اپنے اپنے ذہن پر زور دو، اور مجھے اس سوال کا جواب دو۔"

"اس سے تو بہتر ہو گا کہ آپ ہم سے الجبرے کا کوئی سوال پوچھ لیں" فرزانہ نے کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں ۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور جواب سوچ کر میرے پاس آؤ ورنہ تینوں مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔"

"جی !!!" وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"ہاں ۔ بس جاؤ ۔" انسپکٹر جمشید نے سخت لہجے میں کہا۔

تینوں انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور تجربہ گاہ سے نکل آئے۔ ان کا رویہ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ آج تک وہ ان سے اس طرح پیش نہیں آئے تھے۔

"یہ کیا ۔۔۔ تم بچوں سے اس طرح کیوں پیش آئے ۔ اس میں ان بے چاروں کا کیا قصور ۔" پروفیسر صاحب نے ان کے جانے کے بعد کہا۔

"آپ نہیں جانتے ۔ اب یہ سر جوڑ کر بیٹھ جائیں گے اور ضرور اس سوال کا جواب تلاش کر لیں گے۔"

"کیا تمہیں اس سوال کا جواب معلوم ہے۔" پروفیسر نے پوچھا۔

"اگر معلوم ہوتا تو ان پر کیوں برستا ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" آخر پروفیسر بولے۔

"اب آرام کریں گے ۔ کل دیکھیں گے کہ سیاہ بھیڑیے کے سلسلے میں کیا کیا انتظامات کرنے چاہییں۔"

"اور اگر وہ رات کو ہی پلٹ آیا۔"

"کوئی بات نہیں ۔ میں تجربہ گاہ میں سوؤں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت خوب ۔ یہ ہوئی نا بات ۔ اچھا عامر، رمضان تم دونوں جاؤ، جا کر آرام کرو ۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ تم بے آرام ہوئے۔"

"جی کوئی بات نہیں ۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں کے جانے کے بعد وہ تنہا رہ گئے تھے اور کسی سوچ میں کھوئے ہوئے تھے۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ عامر جنگل میں کیسے پہنچ گیا۔" آخر انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک یہی کیا ۔۔۔ میری سمجھ میں تو کوئی بات بھی نہیں آتی۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولے۔

"فکر نہ کریں۔ اور ہاں۔۔۔ ذرا اُٹھ کر دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں اور بتیاں بجھا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"کیوں۔؟" پروفیسر بوکھلا اُٹھے۔

"آپ کو کان میں ایک بات بتانی ہے۔"

"اچھا۔ سمجھ گیا۔" یہ کہہ کر پروفیسر اُٹھ کھڑے ہوئے اور دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے لگے، پھر انہوں نے بتیاں بجھا دیں اور کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔

"ہاں! اب بتاؤ کیا بات ہے۔" پروفیسر داؤد نے سرگوشی کی۔

انسپکٹر جمشید اُٹھے اور انہوں نے اپنا منہ پروفیسر صاحب کے کان سے لگا دیا اور کچھ کہنے لگے۔

پھولوں کا تحفہ

تینوں اپنے کمرے میں بیٹھے اس سوال پر غور کر رہے تھے جو انسپکٹر جمشید نے ان سے پوچھا تھا۔ سوال یہ تھا کہ سیاہ بھیڑیے نے فارمولا چرانے سے پہلے ہی سیاہ کارڈ عامر کے سینے سے کیوں ٹانک دیا تھا جب کہ اس سے پہلے سیاہ بھیڑیے نے جب بھی کسی سائنس دان کا فارمولا چرایا تھا، جاتے وقت اپنا کارڈ چھوڑا تھا۔

"آخر ہم اس سوال کا جواب کیسے تلاش کریں۔ جب کہ ہم سیاہ بھیڑیے کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا پروفیسر صاحب نے بتایا ہے۔" فاروق نے اُلجھ کر کہا۔

"ابا جان نے اگر یہ سوال پوچھا ہے تو پھر اس کا جواب بھی ضرور دیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے، اس سوال کا جواب سیاہ بھیڑیے کی زندگی کے حالات سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو بلکہ موجودہ حالات سے اس کا کوئی تعلق ہو۔ کیوں فرزانہ تمہارا خیال کیا ہے۔" یہ کہتے وقت محمود فرزانہ کی طرف مڑ گیا۔

"میں بھی تمہارے خیال کی تائید کرتی ہوں ۔ ہمیں اس گھر میں ہونے والے واقعات پر نئے سرے سے نظر ڈالنی چاہیے ۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس سوال کا جواب مل جائے ۔" فرزانہ بولی۔

"ضرور نظر ڈالو ۔ کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔" فاروق نے یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"یہ نظر ڈالنے کا کیا طریقہ ہے ۔ تم نے تو آنکھیں بند کر لی ہیں ۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"میں آنکھیں بند کر کے ہی اس مسئلے پر نظر ڈالنا چاہتا ہوں ۔" فاروق نے آنکھیں کھولے بغیر مسکرا کر کہا۔

"آؤ فرزانہ ۔ اسے چھوڑ دو ۔ ہم دونوں غور کریں ۔"

"جاؤ فرزانہ ۔ مجھے چھوڑ دو ۔ تم دونوں غور کرو ۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"دیکھو فاروق ۔ اگر اس وقت تم نے مذاق کرنے کی کوشش کی تو ہم دونوں تمہیں پیٹ ڈالیں گے ۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

"ایسی کوئی کوشش کی تو منہ کی کھاؤ گے ۔ میں تم دونوں سے ذرا بھی کمزور نہیں ہوں ۔"

"اچھا بھائی ۔ تم بہت طاقت ور ہو ۔ ہمیں معاف کر دو ۔ اور سوچنے دو ۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"تو میں نے کب روکا ہے ۔" فاروق تڑ سے بولا۔

آخر وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور غور کرنے لگے ۔ انہوں نے ہر ہر پہلو سے اس کیس کا جائزہ لیا ۔ پورے واقعات پر بار بار نظر ڈالی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکال سکے ۔ آخر تنگ آ کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے ۔ آج ہم اس سوال کا جواب تلاش نہیں کر سکیں گے ۔"

"اور میرا خیال ہے، کل بھی معلوم نہ کر سکیں گے ۔" فاروق مسکرایا۔

"تم تو بس چپ ہی رہو ۔"

"جی اچھا ۔" فاروق نے اس طرح کہا جیسے کسی بزرگ نے اسے ڈانٹا ہو ۔ پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔

"اگر تم میرے ایک سوال کا جواب دے دو تو شاید میں اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکوں ۔"

"بولو ۔ ہم کوشش کریں گے ۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"جب پروفیسر انکل دوڑتے ہوئے تجربہ گاہ میں گئے تھے اور انہوں نے بغیر کسی احتیاط کے تجوری کھولی تھی تو کیا تم نے دیکھا تھا، انہوں نے کون سے بٹن دبائے تھے ۔"

"نہیں ۔ اس وقت اتنا ہوش کسے تھا ۔"

"بہت خوب ! اب میں اباجان کے سوال کا جواب دے سکتا ہوں ۔" فاروق چہک کر بولا۔

"کیا !!" محمود اور فرزانہ ایک ساتھ چلائے ۔ پھر محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے اس سوال کا ابا جان کے سوال سے کیا تعلق۔"

"سنو۔ عقل سے کام لو۔ پروفیسر انکل نے بتایا ہے کہ سیاہ بھیڑیا ہمیشہ اپنا کارڈ اس وقت چھوڑ کر جاتا ہے جب وہ اپنا کام کر چکا ہوتا ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ ابھی اس نے فارمولا چرایا نہ ہو اور کارڈ چھوڑ جائے۔ لیکن یہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ ذرا سوچو۔ یہ لوگ کئی دن سے پروفیسر انکل کے گھر میں دھما چوکڑی مچا رہے ہیں۔ آج ہی یہاں ایک لاش بھی مل چکی ہے۔ ان حالات میں فرض کرو کہ سیاہ بھیڑیا کسی طرح بھی تجوری کھولنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ وہ ایک ترکیب سوچتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پروفیسر اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ بس وہ کسی نہ کسی طرح پروفیسر صاحب کے اسسٹنٹ عامر کو اٹھا کر جنگل میں لے جاتا ہے اور اسے بے ہوش کر کے اپنا کارڈ اس کے سینے میں ٹانک دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے، جونہی پروفیسر اس کارڈ کو دیکھیں گے، سمجھ جائیں گے کہ فارمولا چوری ہو چکا ہے اور بدحواسی کے عالم میں تجربہ گاہ کا رخ کریں گے اور تجوری کھول ڈالیں گے۔ اب وہ کسی جگہ سے چھپ کر یہ صاف ذہن میں رکھ لیتا ہے کہ پروفیسر کون سے نمبر کس ترتیب سے دباتے ہیں اور تجوری کھولنے کا طریقہ معلوم کر لیتا ہے اور اگر اس سوال کا جواب یہی ہے تو پھر اب وہ کسی دن تجوری میں سے فارمولا اڑانے والا ہی ہے۔"

"اوہ!" دونوں دھک سے رہ گئے۔ فاروق کا ذہن کام کر گیا تھا۔ اس

سوا اور کوئی بات ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

پھر وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یہ بات فوراً پروفیسر صاحب اور ے والد کو بتانی تھی۔ خطرہ ہر لمحے بڑھتا جا رہا تھا۔

سات دن گزر گئے۔ اس دن کے بعد پھر پروفیسر داؤد کے گھر میں ئی واقعہ پیش نہ آیا۔ نہ راتوں کو کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی، نہ اہ پوش ہی نظر آیا۔ وہ راتوں کو جاگتے اور دن میں بھی باری باری وتے۔ ٹھیک ساتویں دن شام کو خان رحمان آ دھمکے۔ وہ تو بھول گئے تھے کہ آج انہیں خان رحمان کے ساتھ ان کے گھر جانا تھا۔ پروفیسر ل کے گھر ان کا ایک ہفتہ پورا ہو چکا تھا۔

وہ سب انہیں دیکھ کر چونک اٹھے اور اب انہیں یاد آیا۔ خان رحمٰن ہیں گھورتے ہوئے بولے۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم لوگ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار یں معلوم ہوتے۔ میں ایک منٹ کا بھی لحاظ کرنے کو تیار نہیں ہوں، ور سے کہہ آیا ہوں، وہ تمہارے لیے مرغ روسٹ کر رہا ہے۔"

"کیوں نہیں انکل۔ ہم آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں، لیکن کیا پ یہاں چائے پینا پسند نہیں کریں گے۔" محمود نے بجھی بجھی مسکراہٹ ے کہا۔

"چائے . . . . ہاں چائے پینے میں کوئی حرج نہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"مجھے افسوس ہے رحمان۔ بچے تمہارے ساتھ نہیں جا سکیں گے۔"
پروفیسر داؤد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کرتے رہو افسوس۔ مجھے تمہارے افسوس سے کیا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ میرے ساتھ جا رہے ہیں۔"

"بھائی تم بات تو سن لو۔" پروفیسر بولے۔

"میں کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ اگر تم نے مجھے کوئی بات سنانے کی کوشش کی تو میں چائے پیئے بغیر ہی انہیں لے کر چلا جاؤں گا۔"

"بھئی جمشید۔ تمہیں ان سے بات کرو۔" پروفیسر داؤد نے تنگ آ کر کہا۔

"کوئی مجھ سے بات نہ کرے۔" خان رحمان پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولے۔

"رحمان! ہم سب مصیبت میں ہیں۔" ایک دم انسپکٹر جمشید نے کہا۔ انہیں ڈر تھا کہ خان رحمان جملہ مکمل نہیں کرنے دیں گے۔

"مصیبت . . . . کیسی مصیبت . . . . میں کسی مصیبت وصیبت کو نہیں جانتا اور پھر کسی مصیبت کا تعلق ان تینوں سے کیا ہو سکتا ہے۔"

"یہ ہمارے بہت کام آ سکتے ہیں۔"

"چلو ان کے بدلے میں میں یہاں رہ جاتا ہوں۔" خان رحمان نے نئی تجویز پیش کی۔

تم بھی بے شک یہاں رہو، مگر انہیں بھی یہیں رہنے دو۔"
یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" خان رحمان نے ضد پر اڑتے ہوئے کہا۔
اچھا پہلے ساری بات سن لو۔ پھر بے شک انہیں لے جانا۔" انسپکٹر
نے ہار کر کہا۔

چلو خیر۔ سناؤ ساری بات۔" خان رحمان نے کہا اور کرسی کی پشت
لگ کر بیٹھ گئے۔

انسپکٹر جمشید نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی انہیں سنا دی،
آخر میں بولے۔

خود میں سات دن سے یہاں سے نہیں ہلا ہوں۔ نہ گھر گیا نہ دفتر۔
فون کر کر کے تنگ آ چکی ہیں اور کل وہ بھی یہیں پہنچ رہی ہیں۔"
ہوں۔ تو یہ حالات ہیں۔ یہ تو ملک اور قوم کا مسئلہ ہے اور میں اس
خود غرض نہیں ہوں کہ انہیں لے جانے کی خاطر ملک اور قوم کا بھی خیال
دوں۔ اب تو میں بھی یہیں ٹھہروں گا۔ میں ظہور کو فون کر دیتا ہوں۔
رغ، بچے بیگم اور وہ خود کھا لیں یا کسی غریب محلے دار کی دعوت کر دیں۔"
رحمان کی اس بات پر سب نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں۔ پروفیسر داؤد
اٹھے۔

تم نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے، اس
پر تمہیں کوئی خوبصورت سا تحفہ دوں۔"
نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ایک چھوڑ۔ تم مجھے دس تحفے دے دو۔ بھلا

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

پروفیسر داؤد نے گھنٹی بجا کر اپنے ملازم کو بلایا اور اس کے اندر داخل ہونے پر بولے۔

"کل میں گلاب کے وہ پھول لایا تھا نا ۔ ان میں سے ایک اُٹھا لاؤ۔"

"جی اچھا!" ملازم یہ کہہ کر چلا گیا۔

"لاحول ولاقوۃ ..... ایک گلاب کا پھول تحفے میں دے رہے ہو، اتنے بڑے سائنس دان ہو کر اتنا چھوٹا تحفہ دیتے ہوئے کچھ تو سوچا ہوتا۔" خان رحمان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ابھی تم نے پھول کو دیکھا کہاں ہے۔" پروفیسر مسکرائے۔

"کیا تمہارا خیال ہے ... میں نے کبھی گلاب کے پھول نہیں دیکھے۔" خان رحمان نے بُرا مان کر کہا۔

"اگر تمہیں پھول پسند نہ آیا تو میں تمہیں کوئی اور تحفہ دوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تحفہ تمہیں ضرور پسند آئے گا۔"

"میں شرطیہ کہتا ہوں کہ پسند نہیں آئے گا۔"

"اچھا .... چند منٹ صبر کرو۔" پروفیسر جھلا کر بولے۔

اسی وقت ملازم اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول تھا۔ وہ سب پھول کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ پھول اصل نہیں تھا۔ دھاگوں کا بنا ہوا تھا، لیکن اس قدر خوبصورت پھول انہوں نے شاید اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ خان رحمان بھی حیران رہ گئے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر پھول لے

لیا اور اسے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔

"اب اگر تمہیں یہ پسند نہ ہو تو واپس کر دو۔"

"نہیں بھئی۔ تمہاری پسند واقعی لاجواب ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت پھول نہیں دیکھا۔" خان رحمان بولے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اس پھول کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر پروفیسر بولے۔

"معلوم ہوتا ہے ... تم لوگوں کو بھی پھول بہت پسند آیا ہے، لیکن افسوس بازار میں اس کے ساتھ کا دوسرا پھول تھا ہی نہیں۔"

پروفیسر صاحب کے یہ الفاظ سن کر ان تینوں کو بہت مایوسی ہوئی۔ انہوں نے خان رحمان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرائے۔

"نہ بھئی۔ میں یہ پھول تمہیں نہیں دوں گا، کیونکہ پھول ایک ہے اور تم تین ہو۔ جھگڑا یہ کھڑا ہو جائے گا کہ میں پھول کسے دوں۔ اس لیے یہ میرے ہی پاس رہے گا۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" محمود نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

آخری مرحلے

جس دن سے سیاہ بھیڑیے کا کارڈ ملا تھا، پروفیسر داؤد تجربہ گاہ کو خالی نہیں چھوڑتے تھے۔ وہاں یا وہ خود رہتے تھے یا انسپکٹر جمشید اور یا محمود، فاروق اور فرزانہ میں سے کوئی ایک ۔ اور رات کو تو سب کے سب وہاں اکٹھے ہو جاتے ۔ شاید اسی لیے سیاہ بھیڑیے کو وہاں دوبارہ آنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اور آج تو ان کے ساتھ خان رحمان بھی تھے ۔

"میرا خیال ہے، سیاہ بھیڑیا مایوس ہو کر واپس جا چکا ہے ۔" خان رحمان کہہ رہے تھے۔

"یہ بالکل غلط خیال ہے ۔ جو لوگ اسے جانتے ہیں، وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے ۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اگر وہ یہیں موجود ہے تو اس نے تجربہ گاہ کی طرف رخ کیوں نہیں کیا؟" انہوں نے کہا۔

"اس کی بھی کوئی وجہ ہو گی ۔ یا اسے کوئی مجبوری ہو گی ۔"

"جب وہ اس قدر مشہور آدمی ہے تو اسے کیا مجبوری ہو سکتی ہے ۔" خان رحمان نے کہا۔

"اب میں کیا بتا سکتا ہوں ۔" پروفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔

"دراصل وہ جانتا ہے کہ ہم ہوشیار ہو چکے ہیں اور ہر وقت تجربہ گاہ کو نظر میں رکھتے ہیں ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا، ہم آخر کتنے دنوں تک چوکیداری کرتے رہیں گے ۔"

"میں نے حکومت کو ایک چھٹی یعنی یہ ساری حالات لکھے ہیں ۔ آئی جی صاحب اور وزیر داخلہ صاحب کو بھی فون کیا ہے ۔ میرا خیال ہے، کل تک ان کی طرف سے اس کا کوئی بندوبست ہو جائے گا ۔ فارمولا اور بم دونوں یہاں سے منتقل کر دیے جائیں گے ۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"لیکن کہاں ؟" محمود نے پوچھا۔

"یہ حکومت جانے ۔ حکومت کے راز کسی کو بتائے نہیں جاتے ۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کل تک ہماری چھٹی ہو جائے گی ۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"امید تو ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بس تو پھر . . . . . میں کل ہی ان تینوں کو لے جاؤں گا ۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اس صورت میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا ۔" جواب میں پروفیسر

داؤد نے بھی خوش دلی سے کہا۔

"آج پہرہ دینے کی باری کس کی ہے۔"

"محمود اور فاروق کی۔" پروفیسر نے جواب دیا۔

"تو پھر . . . . کیا باقی لوگ جا کر سو سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ بالکل۔ ہم پوری طرح چوکس ہیں۔" محمود بولا۔

"اچھا بھئی۔ ہم چل دیئے۔" انسپکٹر جمشید اٹھتے ہوئے بولے۔

"خدا حافظ۔" محمود، فاروق نے ایک ساتھ کہا۔

"خدا حافظ۔"

اب دونوں تجربہ گاہ میں تنہا رہ گئے تھے۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

"کیا خیال ہے محمود . . . . تجوری کھولنے کی کوشش کریں۔" فاروق نے نئی بات کی۔

"کیوں۔ اس کی کیا ضرورت ہے اور پھر وہ ہم سے کہاں کھلنے لگی۔" محمود بولا۔

"میرا خیال ہے، میں اسے کھول سکتا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا کہا . . . . کھول سکتے ہو۔" محمود نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں۔ میں نے پروفیسر صاحب کو بٹن دباتے غور سے دیکھا تھا۔ اور ہندسوں کی ترتیب مجھے یاد ہے۔"

"اوہ۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔ اگر سیاہ بھیڑیا آ کر تم سے زبردستی

گلوالے تو . . . . کیا ہوگا۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"اسے اگلوانے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو خود ہندسوں کی ترتیب معلوم کر چکا ہے۔"

"یہ ابھی تک خیال ہی ہے۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن اس خیال سے ابا جان اور پروفیسر انکل نے پوری طرح اتفاق کیا ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو۔ یہی بات ہوگی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ بری طرح چونکے۔ جب سے پہرہ دینے کا پروگرام بنا تھا، کسی نے آ کر دروازے پر دستک نہیں دی تھی۔ اس لیے ان کا چونکنا بجا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فاروق نے محمود کو اشارہ کیا کہ وہ ہی بات کرے۔

"کون ہے؟" محمود نے بلند آواز میں پوچھا۔

"میں ہوں عامر۔" باہر سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے جناب؟" محمود نے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب نے ایک ضروری چیز بھیجی ہے۔ یہ چیز آپ کو سیاہ پوش کی انگلیوں سے نکلنے والے دھوئیں سے محفوظ رکھے گی۔" باہر سے عامر نے کہا۔

"اوہ ..... ٹھہریں — ہم کھولتے ہیں۔"

دونوں دروازے کی طرف بڑھے — محمود نے دروازے کی چٹخنی گرا دی — دروازہ کھلتے ہی دونوں بُری طرح بھڑکے — وہاں عامر کی بجا سیاہ پوش کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے دوستو! تم مجھے دیکھ کر چونک کیوں گئے — میں تو تمہارا پرانا دوست ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! یہ تم سے تیسری ملاقات ہے۔" فاروق نے قدرے بلند آواز میں ہنس کر کہا۔

"اونچی آواز میں بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں — اگر تمہارے ساتھی کوٹھی میں موجود ہیں تو میرے بھی ساتھی کوٹھی میں داخل ہو چکے ہیں —" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"بہت اچھا — تم کیا چاہتے ہو —" محمود نے آہستہ آواز میں کہا۔

"فارمولا — اور وہ میں آج لے جاؤں گا۔"

"کیا تم ایک دن اور نہیں رک سکتے۔" فاروق نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"نہیں — کیونکہ میں جانتا ہوں کل فارمولا اور بم حکومت کے قبضے میں چلے جائیں گے۔"

"تو کیا ہوا — تم ان کے قبضے سے بھی تو اڑا سکتے ہو۔" محمود بولا۔

"ہاں! لیکن یہاں یہ کام آسانی سے ہو جائے گا۔"

"بہت اچھا — کیا تمہیں تجوری کھولنے کا طریقہ معلوم ہے۔"

"اگر معلوم نہ ہوتا تو ادھر کا رُخ ہرگز نہ کرتا۔"

"کمال ہے — آخر تم نے اسے کھولنے کا طریقہ کیسے معلوم کر لیا۔" فاروق نے حیرت کا اظہار کیا۔

"تم ..... شیطان کے چیلے ..... تم تو پہلے ہی میری سکیم بھانپ چکے ہو — میں جانتا ہوں — تم نے اپنے والد کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"یار سیاہ پوش صاحب — تم کہیں نجومی یا جادوگر تو نہیں ہو۔" فاروق پھر بولا۔

"نہ جانے میں کیا کیا ہوں — اچھا ... اب ذرا تم دونوں بے ہوش ہو جاؤ — کیونکہ میں چاہتا ہوں، میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔"

محمود اور فاروق گھبرا گئے۔ محمود پوری قوت سے چلایا۔

"ابا جان — مدد —!"

اسی وقت سیاہ پوش نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا دیا لیکن ابھی اس نے اپنی انگلیاں سیدھی نہیں کی تھیں کہ اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور خان رحمان برآمدے میں دوڑتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھا — وہ سیاہ پوش کو دیکھ کر دور سے ہی چلائے۔

"خبردار! اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا، ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"بڑے شوق سے مار دو۔" سیاہ پوش ہنسا۔

خان رحمان نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، فائر کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئے۔ گولی سیاہ پوش کے جسم سے ٹکرا کر اچٹ گئی تھی۔ یوں لگا جیسے وہ گوشت پوست سے نہ ٹکرائی ہو، لوہے سے ٹکرائی ہو۔ اپنی گولی کا یہ حشر دیکھ کر خان رحمان نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بے چارگی سے بولے۔

"یار جمشید! تم خود ہی آجاؤ۔ ان صاحب پر تو گولی اثر ہی نہیں کرتی۔"

لیکن اتنی دیر میں آٹھ ہٹے کٹے آدمی اندر داخل ہو چکے تھے۔

"انہیں باندھ دو۔ اور جو بھی آئے، اسے پکڑ لو۔"

سیاہ پوش نے کہا اور تجوری کی طرف بڑھا۔ سیاہ پوش کے ساتھی ان کی طرف بڑھے۔ خان رحمان نے سوچا۔ ضروری تو نہیں.... گولی ان پر بھی اثر نہ کرے۔ یہ سوچتے ہی انہوں نے یکے بعد دیگرے تین فائر کیے لیکن ان میں سے کسی کا بھی کچھ نہ بگڑا۔

"وحشت بڑے کی۔" خان رحمان جھلا اٹھے۔ اسی لمحے انہیں جکڑ لیا گیا۔ ان کے بعد محمود فاروق کی باری آئی۔ انہیں بھی باندھ کر فرش پر ڈال دیا گیا۔

"لو بھائی۔ ہم تو پھنس گئے۔ اب تم بھی پھنسنے کے لیے آجاؤ۔"

ن رحمان مسکرائے۔

"آخر ابا جان کہاں ہیں۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

فوج کی کمان کر رہے ہیں۔ مجھے ہراول دستے کے طور پر بھیجا تھا، میں تو ی بنا لیا گیا۔ اب دیکھیں، وہ کسے بھیجتے ہیں۔" خان رحمان پر مذاق کا بھوت ر تھا۔ دوسری طرف سیاہ پوش الماری کے بٹن دبا رہا تھا۔ جونہی تجوری دروازہ کھلا، دروازے میں فرزانہ نظر آئی۔

"بہت خوب۔ تو تم نے تجوری کھول ہی لی۔ لیکن یاد رکھو، تم مال نہ لے جا سکو گے۔"

انہوں نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔ سیاہ پوش بھی مڑا تھا۔ ی یہ دیکھ کر ہنس پڑا کہ فرزانہ کے ہاتھ میں ایک بڑی سی گڑیا تھی۔ فرزانہ ی اس کی طرف بڑھی۔

"ارے ارے۔ کہاں چلی آرہی ہو۔ وہیں ٹھہرو۔ پکڑ لو۔ اسے ے۔" سیاہ پوش نے جلدی سے کہا، لیکن اتنی دیر میں فرزانہ اس کے نزدیک چکی تھی اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی گڑیا کا پیٹ دبا چکی تھی۔ اس میں دھوئیں کا ایک فوارہ سا نکلا اور سیاہ پوش کا چہرہ اس میں چھپ گیا۔ دوسرے ہی لمحے سیاہ پوش کا قہقہہ فضا میں گونجا اور فرزانہ ہکا بکا کھڑی گئی۔ اس کا تو کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔

"کاش! اس وقت میرے پاس میرا پنسل تراش ہوتا۔" فاروق بڑبڑایا۔ بری طرح مچل رہا تھا۔

"پکڑ لو ـ اس ننھی بچی کو ـ آئی تھی مجھے بے ہوش کرنے ـ"
چند لمحے بعد فرزانہ بھی بندھی نظر آئی ـ اتنی دیر میں سیاہ پوش تجوری میں سے فارمولے کا کاغذ اور بم نکال چکا تھا ـ
"خدا حافظ دوستو ــ ہم جا رہے ہیں ۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ تم لوگوں نے مقابلہ خوب کیا ـ" سیاہ بھیڑیا بولا ۔
یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پروفیسر داؤد دروازے پہ نمودار ہوئے ـ
"تم اتنی آسانی سے فارمولا نہیں لے جا سکتے ـ" وہ اسے گھورتے ہوئے بولے ۔
"لے جا تو رہا ہوں ـ" اس نے ہنس کر کہا ـ
"تم دیکھ رہے ہو . . . میرے ہاتھ میں کیا ہے ــ یہ ایک آتشی بم ہے ـ میں اسے فرش پر گرا دوں گا اور کمرے میں موجود ہر چیز آگ کی لپیٹ میں آ جائے گی ـ"
"اور ساتھ ہی تم بھی . . . . یہ بچے بھی اور تمہارا یہ دوست بھی ــ" سیاہ بھیڑیے نے مسکرا کر کہا ۔
"پروا نہیں ، وطن کی بقا کے لیے جان کی بازی لگانا ہمارے لیے بہت آسان ہے بلکہ فخر کے قابل ہے ـ"
ایک لمحے کے لیے سیاہ پوش ہچکچایا ۔ شاید آتشی بم کی صورت میں اسے اپنی موت سامنے نظر آ گئی تھی ـ

ی سودا نہیں ہو سکتا ـ" اس نے بے چارگی سے کہا ۔
کیا سودا ــ ہم وطن فروش نہیں ہیں ـ اپنی جان تو دے سکتے ہیں ، وطن دا نہیں کر سکتے ـ"
سوچ لو ــ ہمارے ساتھ تم اور تمہارے ساتھی بھی مریں گے ـ"
ایک ہی صورت ہے ـ تم فارمولا اور بم تجوری میں رکھ کر اس کا دروازہ دو اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو ـ"
یہ نہیں ہو سکتا ــ میں گرفتاری نہیں دوں گا ــ ہاں فارمولا اور بم ں رکھ دیتا ہوں ۔ تم مجھے فرار ہو جانے کا موقع دے دو ـ" سیاہ بھیڑیے تجویز پیش کی ۔
مجھے افسوس ہے ــ میں اپنے وطن کے دشمن کو فرار ہونے کا موقع نہیں سکتا ـ" پروفیسر بولے ـ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا ۔
ٹھہریئے پروفیسر صاحب ـ" اچانک انسپکٹر جمشید کی آواز آئی ۔
وہ چونک کر مڑے ـ انسپکٹر جمشید کمرے کے دروازے میں کھڑے مسکرا ے تھے ـ
یں ہر طرف کا جائزہ لے چکا ہوں ۔ اس کے ساتھ جتنے آدمی تھے ، کمرے میں ہیں باہر کوئی نہیں ہے ـ"
لیکن معاملہ اُلجھ گیا ہے ـ ان پر گولی اثر نہیں کرتی ـ اب اگر میں آتشی ا پہ مارتا ہوں تو ساتھ میں ہم بھی مرتے ہیں ـ" پروفیسر بولے ـ
ر ابھی کسی سودے کی بات کر رہے تھے ، میں ان کے ساتھ سودا کرنے

کے لیے تیار ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" پروفیسر داؤد نے چلا کر کہا۔

"جمشید۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" خان رحمان نے بھی غصے کے عالم میں کہا۔ "ہم مرتے ہیں، مر جائیں، لیکن تم ان سے کوئی سودا نہیں کرو گے۔ ملک اور قوم کو بیچا نہیں جا سکتا۔"

"بھئی ناراض کیوں ہوتے ہو۔ پہلے سن تو لو۔ میں ان سے کیا سودا کر رہا ہوں۔"

"اچھا چلو۔ بتاؤ۔" سیاہ پوش نے جلدی سے کہا۔

"یہ بات تو طے ہے کہ ہم مرتے مر جائیں گے، لیکن تمہیں بچ کر جانے نہیں دیں گے، دوسری طرف تم بھی فارمولا اور بم لے کر یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو لیکن آتشی بم کی موجودگی میں تم جا نہیں سکتے، اس لیے اب صرف اور صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ تم مجھ سے مقابلہ کر لو۔ اگر تم مل کر مجھے زیر کر لو گے تو میں تمہیں جانے کی اجازت دے دوں گا۔"

"ہمیں منظور ہے۔" سیاہ پوش نے خوش ہو کر کہا۔

"جمشید۔ یہ تم نے کیا فیصلہ کیا۔ ان لوگوں نے اپنے جسموں پر لوہے کا لباس پہن رکھا ہے۔ جب ان پر گولی اثر نہیں کرتی تو تمہارے مکے کیا کر سکیں گے۔" پروفیسر چلائے۔

"کوئی بات نہیں، میں اپنے ساتھ تم لوگوں کی بھی جان بچانا چاہتا ہوں۔ اور اس کا صرف یہی طریقہ ہے۔"

"لیکن تم نو آدمیوں کا مقابلہ کیسے کرو گے۔" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"اللہ مالک ہے۔ آؤ دوست۔۔۔ ہو جائیں دو دو ہاتھ۔" انہوں نے سیاہ پوش کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے ہاتھ ہلانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے آدمی ہی تم سے نبٹ لیں گے پکڑ لو اسے۔" سیاہ پوش نے پہلے انسپکٹر جمشید اور پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اور پھر آٹھ آدمی ایک ساتھ انسپکٹر جمشید پر جھپٹ پڑے۔ انہوں نے انہیں ایک ساتھ دبوچ لینے کا ارادہ کیا تھا اور چاروں طرف سے ان پر ٹوٹے تھے، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ایک دوسرے سے پورے زور سے ٹکرائے، کیونکہ انسپکٹر جمشید تو جھکائی دے کر ان کے بیچ سے نکل گئے تھے۔ یہی نہیں، ان کے درمیان سے نکلتے ہی انہوں نے سیاہ پوش کے ایک ساتھی کو کمر سے پکڑ کر ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا اور سر سے اونچا کر کے باقی ساتھیوں پر پھینک مارا تھا۔ فضا میں کئی بھیانک چیخیں گونج اٹھیں۔ تین مجرم بے کار ہو چکے تھے۔ سیاہ پوش یہ دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا۔ اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید ایک آدمی کی گردن دبوچ چکے تھے اور اسے اس طرح گھما رہے تھے جیسے لاٹھی کو گھماتے ہیں۔ پھر جو بھی اس شخص کی لاتوں کی زد میں آیا، گرتا چلا گیا۔ پھر انہوں نے اس آدمی کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ زور سے دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ بہت خوفناک تھی۔ اس چیخ

نے ان سب کو لرزا دیا۔ اب مقابلے میں صرف دو رہ گئے تھے، لیکن ان میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ آخر انسپکٹر جمشید خود ہی آگے بڑھے اور اچھل کر ان میں سے ایک کے سینے پر لاتیں رسید کر دیں۔ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ دوسرے نے دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن پروفیسر داؤد کے ہاتھ میں آتشی بم دیکھ کر رک گیا۔ پروفیسر تو دروازے میں تنے کھڑے تھے۔

انسپکٹر جمشید آخری آدمی کی طرف بڑھے۔ اب مقابلہ کرنے کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ نہ تھا۔ لہذا وہ ان پر حملہ آور ہوا اور اپنا فولادی مکا ان کے منہ پر مارا۔ انسپکٹر جمشید تھوڑا سا جھک گئے اور مکا ان کے کندھے پر لگا۔ اس لڑائی میں یہ پہلا مکا تھا جو ان کے لگا، لیکن یہ اس قدر زبردست تھا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ وہ گرتے گرتے مشکل سے سنبھلے اور جھلا کر اس کی ناک پر ایک ٹکر دے ماری اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔

"اب صرف تم رہ گئے ہو دوست۔ تم بھی آؤ۔" انسپکٹر جمشید نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تم میرا ایک وار بھی نہیں سہہ سکو گے۔ میرے دونوں ہاتھوں پر جو لوہے کے مکے چڑھے ہوئے ہیں، ان کی نوکیں ابھری ہوئی ہیں اور کسی آدمی کے ایک مکا لگنے کی دیر ہے، پھر وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔" سیاہ پوش نے بارعب لہجے میں کہا۔

"تم آؤ تو۔"

"لو آ گیا۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ سیدھا کرتے ہوئے انگلیاں ان کی طرف گھمائیں۔ فوراً ہی دھوئیں کی پانچ لکیریں انسپکٹر جمشید اور دوسروں کی طرف لپکیں، لیکن دوسرے ہی لمحے سیاہ بھیڑیے کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"ارے۔"

انسپکٹر جمشید اور کمرے میں موجود باقی لوگوں کو اس دھوئیں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ وہ سب صحیح سلامت کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر سیاہ بھیڑیے کی سٹی گم ہو گئی۔

"تمہارا یہ حربہ بے کار گیا دوست۔ اب تمہیں مجھ سے مقابلہ کرنا ہی ہوگا۔ تم نے بھی تو بچوں کے ہاتھی کو بے کار کر دیا تھا۔ لیکن تم بھول گئے کہ یہ گھر بھی ایک سائنس دان کا ہے اور پروفیسر داؤد بھی تمہاری انگلیوں سے خارج ہونے والے دھوئیں کا کچھ علاج کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے کہتے چلے گئے۔

"اب کھڑے کیا سوچ رہے ہو۔ تمہارے تو ساتھی بے ہوش پڑے ہیں، دروازے میں پروفیسر آتشیں بم لیے کھڑے ہیں۔ اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ان ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگوا لو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"میں نے آج تک اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہیں لگوائیں۔" اس نے غرا کر کہا۔

"تو کیا ہوا — آج لگوا لو۔"

"یہ نہیں ہو گا — میں تمہارا مقابلہ کروں گا — میں دیکھوں گا تم کتنے طاقت ور ہو۔" اس نے کہا۔

"بہت اچھا — اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر آؤ — میں تیار ہوں۔"

"لیکن یہ بہادری نہیں ہے۔" سیاہ بھیڑیا بولا۔

"کیا مطلب۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"میں جانتا ہوں، تمہیں شکست دینے کے بعد بھی میں یہاں سے نہیں جا سکوں گا — پروفیسر آتشیں بم چھوڑ دے گا۔"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ مجھ سے مقابلہ جیت جانے کی صورت میں تمہیں یہاں سے جانے دیا جائے۔"

"ہاں — یہی بہادری ہے۔"

"بہت خوب — مجھے منظور ہے — اگر تم مجھے شکست دے دو گے تو تمہیں کوئی نہیں روکے گا، لیکن فارمولا تمہیں چھوڑ کر جانا ہو گا۔" آخر انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور باقی سب کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

"بہت خوب یہ ہوئی نا بات۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اچانک سیاہ پوش اپنی جگہ سے اچھلا اور ہوا

[…] تیرتا ہوا انسپکٹر جمشید پر آیا — وہ بجلی کی سی تیزی سے ایک طرف ہو گئے [...] سیاہ پوش منہ کے بل زمین پر آ رہا، لیکن یہ دیکھ کر ان سب کی چیخ [...] ہو گئی کہ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا تھا اور ایک بار [...] حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

انسپکٹر جمشید بھی پوری طرح چوکس تھے۔ ابھی انہوں نے اس پر حملہ کرنے [کی] کوشش نہیں کی تھی۔ سیاہ پوش کا دوسرا حملہ بہت خوفناک تھا۔ اس [...] وہ زمین پر چلتا ہوا، دونوں مکے اٹھائے ان کی طرف بڑھا — اور [ایک] ساتھ دونوں مکے ان کے منہ پر دے مارے — محمود، فاروق اور [فر]زانہ کے منہ سے خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں، لیکن یہ دیکھ کر انہوں [نے] اطمینان کا سانس لیا کہ انسپکٹر جمشید تو سیاہ پوش سے چند فٹ دور [کھ]ڑے مسکرا رہے تھے۔ سیاہ پوش اب بری طرح جھنجھلا اٹھا تھا۔ اس نے [تا]بڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ ابھی تک وہ انسپکٹر جمشید کو ہاتھ بھی نہیں [ل]گا سکا تھا۔ ایک بار اچانک انسپکٹر جمشید اس کی زد پر آ گئے — وہ [کم]رے کے ایک کونے میں پھنس گئے تھے اور سیاہ پوش ان سے صرف دو [ف]ٹ دور کھڑا تھا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور سب کے سب دل دھک [د]ھک کرنے لگے۔

دوسرے ہی لمحے سیاہ پوش ان پر جا پڑا اور انسپکٹر جمشید ان کے [نی]چے دب گئے۔ کمرے میں موجود ان سب کا برا حال تھا۔ ان کا جی چاہ [رہ]ا تھا، ان کی رسیاں ٹوٹ جائیں اور وہ سب مل کر سیاہ پوش پر

ٹوٹ پڑیں، لیکن یہ تو معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی۔

دونوں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے سیاہ پوش کے دونوں ہاتھ کلائیوں پر سے پکڑ رکھے تھے تاکہ وہ مکے نہ مار سکے۔ دوسری طرف وہ اپنی کلائیاں چھڑانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

اور پھر نہ جانے کیا ہوا اور کیسے ہوا، نقاب پوش اچانک کئی فٹ اونچا اچھل گیا اور جب وہ سینے کے بل زمین پر آیا تو دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ انسپکٹر جمشید نے جیب سے سیٹی نکال کر بجا دی۔

فوراً ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ابا جان! یہ کون ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے — پروفیسر صاحب — کیا آپ نے کبھی سیاہ بھیڑیے کو دیکھا ہے۔"

"دیکھا تو نہیں — صرف سنتا رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"آج آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، لیکن پہلے یہ بتاتا چلوں کہ یہ سب چکر کیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ نے شیشے کے بکس والے فارمولے پر کام شروع کیا تھا۔ اسی وقت سے ہی سیاہ بھیڑیا آپ کے پیچھے لگ گیا تھا۔ آپ کی کوٹھی میں اس کا ایک ساتھی بھی موجود ہے، وہی باورچی . . . جو پانچ وقت کا نمازی ہے اور اپنا کھانا خود پکا

ر کھاتا ہے۔ میں اسے پہلے ہی گرفتار کر چکا ہوں۔ ہاں تو یہ باورچی رسی ی ایک سیڑھی کوٹھی کے پچھلے حصے سے ایک رسی سے اوپر کھینچ کر لٹکا دیتا تھا اور سیاہ بھیڑیا اس کے ذریعے اندر آ جاتا تھا۔ جب آپ نے بم بنا لیا ر اس نے بم اور فارمولا اڑانے کی کوشش کی، لیکن تجوری نہ کھول سکا۔ سی دوران ایک اور ملک کا جاسوس بھی اس فارمولے کو اڑانے کے لیے یہاں آ چکا تھا۔ وہ بھی رسی کی سیڑھی کے ذریعے سیاہ پوش کے پیچھے اندر آنے لگا۔ ایک روز سیاہ پوش نے اسے دیکھ لیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ب لوگوں کو اسی کی لاش ملی تھی۔ اس کے بعد بھی اس نے تجوری کھولنے ی کوشش برابر جاری رکھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر اس نے اس کے لیے ایک ترکیب سوچی — یہ پروفیسر صاحب کے اسسٹنٹ عامر کو کوٹھی سے باہر لے گیا اور اسے بے ہوش کر کے اپنا کارڈ اس کے سینے کے ساتھ ٹانک دیا۔ پروفیسر کی نظر اس پر پڑی تو وہ بوکھلا کر تجوری کی طرف بھاگے ور احتیاط کیے بغیر تجوری کے بٹن دباتے چلے گئے۔ یہ پہلے ہی بٹنوں کی ترتیب ذہن میں رکھنے کے لیے تیار تھا۔

اس کے بعد کام آسان تھا، لیکن اس نے فوراً ہی فارمولا چرانے ی کوشش نہیں کی، یہ چاہتا تھا، ہماری بے خبری میں فارمولا اڑائے وسری طرف ہم ہوشیار ہو چکے تھے — یہی وجہ ہے کہ ہم آج یہاں س عالم میں موجود ہیں۔ اب صرف ایک بات رہ گئی ہے . . . اور ہ یہ کہ سیاہ بھیڑیے نے تجوری میں سے جو فارمولا اور بم نکالے

ہیں، دونوں کے دونوں نقلی ہیں۔ اصلی فارمولا اور بم تو کہیں اور ہی رکھے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اب اس کے منہ سے نقاب اتار دو۔" انسپکٹر جمشید نے حکم دیا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ وہ سب بری طرح اچھلے۔ پروفیسر داؤد چلائے۔

"عامر!"

"ہاں! عامر... لیکن دراصل یہ آپ کا اسسٹنٹ نہیں ہے۔ وہ غریب تو اسی روز اس کے ہتھے چڑھ گیا تھا جس روز آپ نے بم بنا لیا تھا، اس نے اسے ختم کر دیا اور اپنے چہرے پر اس کا میک اپ کر لیا۔ یہ میک اپ کا بہت بڑا ماہر ہے۔ دیکھ لیں۔ آج تک آپ جان نہیں سکے کہ یہ اصلی عامر ہے یا نقلی۔"

"اُف خدا۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ خود ہی جنگل میں جا کر بے ہوش ہو گیا تھا اور اپنا کارڈ اپنے ہی سینے پر لگا لیا تھا۔"

"ہاں!"

"اور وہ باورچی اس کا ساتھی ہے۔"

"بالکل۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن... جب پروفیسر کوٹھی میں چلنے پھرنے کی آواز سنتے تھے تو یہ

انہیں نظر کیوں نہیں آتا تھا۔"

"کوٹھی میں رہتے ہوئے یہ کوٹھی سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا اور کہیں بھی چھپ سکتا تھا۔ اس کا اپنا کمرہ تو اس کام کے لیے اور بھی مناسب تھا۔ جنگل میں یہ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کو ہدایات دینے کی غرض سے جایا کرتا تھا۔"

"ہوں۔ تو یہ بات تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کیس ختم ہو گیا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اور اب میں ایک منٹ کے لیے بھی تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا، تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چل رہے ہو۔" خان رحمان نے محمود فاروق اور فرزانہ سے کہا۔

"لیکن انکل..... یہ تو رات کا وقت ہے۔" فرزانہ ہنس کر بولی۔

"میں کچھ نہیں جانتا — ہم اسی وقت جائیں گے۔"

"بھئی صبح چلے جانا۔" پروفیسر بولے۔

"اچھا خیر... صبح ہی سہی۔ لیکن کان کھول کر سن لو۔ صبح ہم ناشتے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔" خان رحمان نے میز پر مکا مار کر کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید شہید گنج کے ہوٹل بتھری سٹار

میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ اچانک ہال میں ایک آدمی چلایا۔

"یہ کیا مذاق ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ایک بیرا تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور نہایت بدتمیزی سے بولا۔

"کیا بات ہے۔ کیوں چلا رہے ہو۔"

"تم ہوٹل کے بیرے ہو یا مالک۔"

"صرف بیرا۔ مطلب کی بات کرو۔"

"میں نے صرف ناشتا کیا ہے اور تم ستائیس روپے بل بنوا کر لے آئے۔"

"بل بالکل ٹھیک ہے۔ تمہیں اتنے ہی پیسے ادا کرنے ہوں گے۔" بیرے نے اکڑ کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہوٹل کے مالک کو بلاؤ۔ میں اس سے بات کروں گا۔"

"اسے بلا کر تم پچھتاؤ گے۔" بیرا مسکرایا۔

"میں کہتا ہوں۔ بلاؤ اسے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب نفع نقصان کے ذمے دار تم خود ہو گے۔"

جلد ہی ایک پتلا دبلا آدمی اس گاہک کی طرف بڑھتا

نظر آیا۔ اور ہال میں بیٹھے لوگ تھر تھر کانپنے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ حیران رہ گئے۔ کچھ لوگ بڑبڑائے۔

"وہ آگیا بے تاج بادشاہ!"

انسپکٹر جمشید سیریز ۶

پُر اسرار اور چونکا دینے والے واقعات پر مبنی

بے تاج بادشاہ

- بے تاج بادشاہ کون تھا۔
- شہید گنج میں یہ بات مشہور تھی کہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہے یہاں اس کی حکومت ہے۔
- محمود، فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید شہید گنج کیا کرنے گئے تھے۔
- ہوٹل تھری سٹار میں ان کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔
- بے تاج بادشاہ اور محمود، فاروق اور فرزانہ کی ٹکر ۔۔۔ انسپکٹر جمشید دور کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔
- آخر میں ایک عجیب و غریب راز سے پردہ اُٹھتا ہے۔
- پولیس کے آدمی بھی بے تاج بادشاہ کے آگے تھر تھر کانپتے تھے۔
- کیا انسپکٹر جمشید بے تاج بادشاہ سے ٹکرائے۔

یہ سب کچھ جاننے کے لیے انسپکٹر جمشید سیریز کا چھٹا ناول

"بے تاج بادشاہ" پڑھیے

اشتیاق احمد
کے
جاسوسی ناولوں کا سلسلہ
ہر ناول کی کہانی مکمل اور نئے انداز میں !
یہ پندرہ ناولوں کا سلسلہ ہوگا!
ہر ناول کے کردار انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ ہوں گے
جو آپ کے جانے پہچانے ہیں!
ہر ناول کے آخر میں پلاٹ سے متعلقہ سوالنامہ کا جواب آنے پر
اشتیاق احمد اپنے ہاتھ سے آپ کو خط لکھیں گے!
ہر ناول کی قیمت ۳/۵۰ روپے ہوگی! یہ سلسلہ
"انسپکٹر جمشید سیریز" کے نام سے شائع کیا جائے گا!
اگر یہ ناول پسند آئے تو اشتیاق احمد صاحب کے
"انسپکٹر جمشید سیریز" کے اور ناول ضرور پڑھیے!
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی